SALMAN's CHOICE

لیپا ویلی کا ہیرو

لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید

ستارۂ جرأت (دوبار)

سعید راشد

شعبۂ تعلیمی تحقیق و ترقی

ملٹری کالج جہلم

book owner : Asif Saeed
scan by Salman saleem
0304-8890501

لیپا ویلی کا ہیرو

لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید

ستارۂ جرأت (دو بار)

سعید راشد

شعبہ تحقیق و ترقی ملٹری کالج جہلم

پہلا ایڈیشن : جون ۱۹۸۰ء

اشاعت : آرمی ایجوکیشن پریس، جی ایچ کیو
پوسٹ بکس نمبر ۱۷۹، راولپنڈی

طباعت : امتیازی پرنٹرز۔ راولپنڈی

انتساب

ملٹری کالج جہلم کے
طلبا کے نام

اس یقین کے ساتھ کہ وہ حق نواز کیانی
کی روایت کو زندہ رکھیں گے

سعید راشد



لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید

پیش لفظ

از جنرل محمد اقبال خان، ہلال امتیاز، ستارۂ بسالت
چیئرمین جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی

یوں تو جنگ کسی قوم کی اجتماعی کوشش ہی ہوتی ہے لیکن ہر اجتماعی عمل میں افراد کی ہمت اور استقلال کارفرما ہوتا ہے۔ لہٰذا جنگ کی تاریخ افراد کے کارنامے بیان کئے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

زیرِ نظر کتاب ہماری فوج کے ایک اہم ترین ہیرو کے بارے میں ہے۔ شہیدوں کے کارناموں پر روشنی ڈالنا اور ان کی یاد تازہ رکھنا ہمارا اخلاقی اور مذہبی فرض بھی ہے اور نئی نسل کے لئے ولولے کا ایک مستقل سرچشمہ بھی۔ تحریک اور ترغیب جہاد (MOTIVATION) ہمارے دفاع کے لئے بنیادی چیز ہے اور ان شہیدوں کی تابندہ مثالیں یقیناً شوق شہادت کی محرک ہیں۔

حق نواز کیانی شہید غیر معمولی جنگی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انہوں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں کشمیر میں کمانڈو کارناموں کی بدولت ستارہ جرأت کا اعزاز حاصل کیا پھر ۱۹۷۱ء میں وادی لیپا کا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا اور شہید ہوئے۔ ان کی دلیری اور ثابت قدمی نے ہماری فوج کا بلکہ ساری قوم کا مورال بلند کر دیا۔

۱۹۴۳ء میں جب ملٹری کالج میں داخل ہوا تھا تو وہ اس وقت کالج کے ہیڈ

ہوائے تھے۔ چند ماہ تک کالج میں ان کا ساتھ رہا۔ پھر وہ کمیشن کے لئے منتخب ہو کر چلے گئے۔ بعد میں فوجی زندگی میں بھی ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہا۔ میرا ان کی شخصیت کے بارے میں مجموعی تاثر یہی رہا ہے کہ وہ ایک بے باک مجاہد اور شہادت کے متلاشی تھے۔

اس کتاب کے مصنف پروفیسر سعید راشد کالج کے بہت پرانے اساتذہ میں سے ہیں اور شعبہ تحقیق و ترقی کے تحت کئی کتابیں ان کے قلم سے نکل چکی ہیں۔ اس کتاب کا انداز بیان میں نے عام فہم اور دلچسپ پایا۔ مصنف نے ڈرامائی تیکنیک اختیار کی ہے۔ انٹرویوز اور مختلف افراد سے گفتگوؤں کی بنیاد پر انہوں نے معتبر ذرائع سے ایک بسیط اور جامع سوانح حیات مرتب کر دی ہے۔ مصنف نے اپنی طرف سے زیادہ کہنے کی بجائے دوسروں کے تاثرات کی مدد سے اپنے ہیرو کی تصویر کھینچی ہے جس کے لئے وہ تحسین کے مستحق ہیں۔

ایک نامور اور قابل فخر عالمگرین کا تذکرہ ہونے کی حیثیت سے اس کتاب کی اشاعت عالمگیرین ایسوسی ایشن کے لئے بھی بڑی خوش آئند بات ہے۔



فہرست

باب دوئم

شخصیت و کردار ۱۰۳

دیباچہ

یہ کتاب ایک ایسے انسان کی داستانِ حیات ہے جس نے ان زنجیروں کو توڑ پھینکا تھا جو ہم عام آدمیوں کو جکڑے رہتی ہیں۔ یہ ایک ایسے مجاہد کی سوانح حیات ہے جس کا ایمان عین الیقین کے درجے کا تھا۔ یہ ایک ایسے سچے اور پکے مومن کے کارناموں کی کہانی ہے جو اسلام پاکستان، اور کشمیر کا دیوانہ تھا۔ اب ایسے دیوانے کہاں سے آئیں گے ؟ لیکن جب تک آتشِ نمرود ہے اس میں بے خطر کود پڑنے والوں کی ضرورت تو ہوتی رہے گی۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

حق نواز کے لئے اس قول کی نوعیت قال کی نہیں حال کی تھی۔ وہ شہادت کے طالب نہیں عاشق تھے۔ ان کی نظر میں موت ہلاکت نہیں کشادِ درِ دل تھی۔

کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

لیپا ویلی کا معرکہ پاکستان کی عسکری تاریخ اور قومی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد قوم پر اضمحلال اور مایوسی کے جو بادل چھائے ہوئے تھے ان کو اس ضربِ کاری نے چھانٹ کے رکھ دیا۔ عزم و حوصلہ کی ایک نئی لہر نے سارے قومی افق کو روشن کر دیا اور یہ کامیابی بڑی حد تک حق نواز کیانی کی قوتِ ایمانی اور جذبہ جہاد کی رہین منت تھی۔

لیکن حق نواز صرف ایک فرد ہی نہیں ایک علامت بھی تھے ایک روایت بھی تھے جس کو پاکستان میں اور اسلامی تاریخ میں بے شمار حق نوازوں نے قائم و دائم رکھا ہے۔

اس کتاب کو ترتیب دینے کا مقصد وحید صرف یہ ہے کہ یہ چراغ جلتا رہے حق نواز نے جن روایتوں کو تازہ کیا ان کو زندہ رکھنے کے لئے اس قوم میں حق نواز پیدا ہوتے رہیں۔

ان اوراق کی تالیف میں جن جن اصحاب نے تعاون کیا میں ان سب کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ ان سب کا نام بہ نام شکریہ ادا کرنا تو طوالت کا باعث ہوگا پھر بھی میں اولڈ بوائز میں سے جنرل محمد اقبال خان، میجر جنرل حمت از علی، میجر جنرل غلام محمد، بریگیڈیئر محمد صادق خان، بریگیڈیئر محمد اقبال، بریگیڈیئر محمد حیات، لیفٹیننٹ کرنل رشید احمد، میجر محمد سرور خان اور میجر یار افضل آفریدی کا شکریہ بطور خاص ادا کرنا چاہتا ہوں کہ ان حضرات نے وقت نکال کر ہمارے سوالات کا جواب لکھایا انٹرویو کے لئے وقت نکالا۔ ان اولڈ بوائز کے علاوہ بریگیڈیئر شیر علی باز، مولوی نصر اللہ خان، مجاہد راج محمد اور کیانی شہید کے تمام اقربا اور اعزا کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے بھی مواد کی فراہمی میں بھرپور مدد دی۔ سبحان اللہ یہاں بھی خصوصیت سے میجر محمد یعقوب صاحب کا ذکر ضروری ہے کہ جن کی خصوصی دلچسپی کے بغیر اس کتاب کا تیار ہونا مشکل تھا۔ جزاک اللہ

یہ کتاب میں ملٹری کالج کے قدیم اور حال طلبہ کی نذر کرتا ہوں۔

سعید راشد
شیر شاہ ہاؤس ۶ ستمبر ۱۹۸۰ء

بابِ اوّل

کاروانِ زندگی

جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی
(اقبال)

سلمان

SALMAN SALEEM

PRESENTS

ذاتی کوائف

ملٹری کالج نمبر ——— ۸۳۵

زمانہ تعلیم ملٹری کالج ——— ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۳ء

کمیشن ——— ۱۹۴۵ء او۔ٹی۔ایس مہو

تاریخ شہادت ——— ۵ مئی ۱۹۷۲ء

مقام شہادت ——— چانٹا (کیانی) رج ۔ لیپا ویلی

اعزاز ——— ستارہ جرأت ۱۹۶۵ء

ستارہ جرأت ۱۹۷۲ء

مدفن ——— مونہ (جہلم)

سلمان

SALMAN SALEEM

PRESENTS

حیاتِ شہید کی چند جھلکیاں

جولائی ۱۹۳۶ء کی ایک تپتی دوپہر تھی گرمی کی وجہ سے مونہ بنڈ کے آس پاس کے کھیتوں میں کوئی دو ایک کسان ہی اپنے ہل بیل لئے مصروفِ کار تھے۔ لیکن ذرا ہٹ کے ایک کھلے میدان میں نو دس برس کی عمر کا ایک دبلا پتلا لیکن گورا چٹا لڑکا ایک گھوڑے پر سواری کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار گرا۔ لوٹ پوٹ کے کھڑا ہوا اور باگ پکڑ کے پھر سوار ہو گیا ابھی دو چار قدم چلا ہو گا کہ منہ زور گھوڑے نے پھر گرایا۔ اب کے گرا تو کچھ چوٹ بھی لگی۔ کھیتوں میں جو کسان تھے وہ تماشا دیکھنے لگے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

"یہ کون ہے؟ کس کا بیٹا ہے۔"

"صوبیدار اللہ دتہ کا بیٹا معلوم ہوتا ہے"

"گھوڑا ابھی منہ زور ہے، لڑکا بھی منہ زور ہے دو بار گر چکا ہے۔ لیکن بچھیرے کی جان نہیں چھوڑتا۔"

جب یہ ضدی لڑکا تیسری بار گھوڑے سے ایک جھاڑی پر گرا اور کانٹے چبھنے سے ہاتھ اور چہرے سے خون رسنے لگا تھا۔ لڑکا لنگڑا رہا تھا لیکن پھر بھی گھوڑے کی لگامیں کھینچی ہوئی تھیں۔ اس کا ارادہ پھر چڑھنے کا تھا۔ آخر کسانوں سے نہ رہا گیا۔ کھیت پار کر کے اس کے پاس پہنچے۔

"بس کر بیٹے، تیرے بہت چوٹ لگی ہے۔"

"بچھیرا اکڑ گیا ہے تجھے بیٹھنے نہ دے گا۔"

یہ سُن کر لڑکا بولا۔

اگر یہ اکڑا ہے تو میں ضرور اس کی اکڑ نکالوں گا خواہ مر ہی کیوں نہ جاؤں۔ اس بد ذات نے جتنا میرا پسینہ نکالا ہے اس سے زیادہ میں اس کا پسینہ نکالوں گا۔ یہ کہہ کر لڑکا اچک کر گھوڑے پر سوار ہوا، لگام کھینچی۔ ببڑ کی پتلی قمچی کھینچ گھما کر گھوڑے کے لگائی اور یہ جا وہ جا اس بار گھوڑا لڑکے کی گرفت میں تھا۔ گھنٹہ آدھا گھنٹہ وہ گھوڑے کو دوڑاتا رہا جب گھوڑا ہانپ گیا اور پسینہ اس کی ایال سے ٹپکنے لگا تو لڑکا گھوڑے سے کود کر اترا۔ گھوڑے کی گردن کو تھپتھپایا اور کہا۔

"اب ٹھیک ہے آئندہ مستی مت کرنا۔"

یہ ملٹری کالج ہے۔ نومبر ۱۹۴۲ء کی ایک شام۔ کالج میں ہر طرف ہلچل ہے۔ جہاں دو لڑکے جمع ہیں وہاں ایک ہی واقعہ زیر بحث ہے جو پریڈ گراؤنڈ پر پیش آیا۔

"پریڈ پر جمعدار ایجوٹینٹ کا کین پکڑ کر توڑ دینا کوئی معمولی بات ہے۔"

"اب کیا ہو گا؟"

"کمانڈانٹ اس کو کالج سے نکال دیں گے۔"

"نکالیں گے کیوں؟ جمعدار ایجوٹینٹ نے پریڈ پر سب کے سامنے اس کی بے عزتی کیوں کی؟ اس کے کین کیوں مارا؟

"مارا کہاں؟ آہستہ سے ٹھوکا دیا تھا۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ بے عزتی تو ہوئی۔"

بے عزتی کی کیا بات ہے۔ کیا سینئر اور افسر جونیئروں کو مارا نہیں کرتے؟

مگر اس طرح نہیں۔ کیا نی بڑا عزت دار ہے۔ اس کو بھی غصہ آ گیا اور اس نے ایڈجوٹینٹ کا کین لے کر چر سے کر دیا۔ واہ واہ آدمی ہو تو ایسا ہو۔

"مزا تو آ گیا جب بُرا حشر ہو گا تو پتہ چلے گا۔

خواہ کچھ ہو لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ کیانی ہے بڑا دلیر۔

ڈرنا تو اس نے جیسے سیکھا ہی نہیں۔

اور یہ واقعہ ۱۹۴۴ء کے رمضان کا ہے۔ سنٹرل انڈیا میں مہو آفیسرز ٹریننگ اسکول کی ایک بیرک میں ایک کیڈٹ عصر کی نماز پڑھ رہا ہے اتنے میں ایک دوسرا مسلمان کیڈٹ سگریٹ پیتا بیرک میں آ جاتا ہے۔ نماز پڑھ کے اس نے سلام پھیرا تو اس مسلمان کیڈٹ کو بیباکی و بے شرمی سے سگریٹ پیتے دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، مسلمان ہو کر یوں کھلے خزانے سگریٹ پی رہے ہو۔"

"تو تمہیں اس سے کیا"؟

کچھ دیر دونوں میں بحث ہوئی لیکن وہ روزہ خور بدزبانی کرنے لگا تو یہ نوجوان کیڈٹ یہ کہہ کر اس پر جھپٹا کہ میں تمہیں اس کا مزہ چکھاتا ہوں۔ وہ جان بچا کر بھاگا۔ لیکن نوجوان کیڈٹ نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ وہ گستاخ کمپنی سارجنٹ میجر فین کے سامنے جا گرا۔

یہ کوہاٹ ہے ۵۹-۱۹۵۸ء، نوجوان میجر اپنی بیگم اور بچوں کے ساتھ بازار سے گزر رہا ہے۔ ایک فقیر نے دستِ سوال دراز کیا میجر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جو ہاتھ میں آیا بغیر دیکھے فقیر کے حوالے کیا۔ بیگم نے کہا۔

"دیکھ تو لیا کیجئے کہ کیا دے رہے ہیں یہ جو نوٹ تھے کتنے کے تھے؟ آپ جب دیتے ہیں تو اس طرح دیتے ہیں۔"

"بیگم دیکھنا کیا جو اس کا مقدر تھا اس کو مل گیا۔"

"آپ یہاں آ کر بہت بدل گئے ہیں۔"

"یہ مرشد کا فیض ہے۔"

یہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ سے اندرون مقبوضہ کشمیر ایک ہندوستانی بٹالین ۸ کماؤن کے سی او' کرنل بلیرا نے اپنی بٹالین کے دربار میں کہا۔

دیکھو پاکستان کا ہندوستان سے کیا مقابلہ یہ عالی شان ریسٹ ہاؤس دیکھو جس میں بٹالین کا ہیڈ کوارٹر اور آفیسر میس ہے۔ اس کے کونے میں ایک غسل خانہ بھی ہے بس یہ نسبت ہے پاکستان کی ہندوستان سے ۔"

یہ خبر جب پاکستانی میجر کو پہنچی جو اس علاقے میں کمانڈو ایکشن کر رہا تھا تو صبح سویرے کرنل بلیرا کو اس کے میس میں آن لیا۔ اس نے بھاگ کے میس کے غسل خانے میں پناہ لی۔ پاکستانی افسر نے للکارا اب کہاں جاؤ گے ؟ اسی غسل خانے میں تمہاری موت لکھی ہے ۔"

یہ جون ۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے پی ایم اے کے میس میں لیفٹیننٹ کرنل اب (بریگیڈیئر) اسلم جنجوعہ کسی کو اپنے ستارۂ جرأت کے بارے میں بتا رہے تھے کہ ایک اور سرو قد، اسمارٹ لیفٹیننٹ کرنل بڑی شان سے اندر داخل ہوا۔ اسلم جنجوعہ کو دیکھا تو سیدھا ان کے پاس آیا۔

"ہیلو سر، آپ کو ستارہ مبارک ہو، آپ نے کالج کا نام بھی اونچا کیا ہے۔"

"شکریہ، آپ کو بھی مبارک ہو، آپ کے ستارے کی بھی بہت دھوم ہے۔ بڑا زبردست ایکشن تھا آپ کا اور ہاں پروموشن بھی مبارک ہو۔"

"سر، ستارہ! تو خیر مل گیا پروموشن بھی ہو گیا لیکن اپنی مراد نہیں بر آئی۔"

۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کی صبح ہندوستانی طیارے منگلا چھاؤنی پر نیچے آ کے حملے کر رہے تھے اور راکٹ گرا رہے تھے۔ ریٹائرڈ افسر دوبارہ جنگ پر جانے کی جلدی جلدی تیاری کر رہا تھا کہ جہازوں کی گڑگڑاہٹ سُن کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کا بڑا بیٹا بھی باہر ہی تھا۔ اس نے پوچھا ڈیڈی، ہندوستانی جہاز اتنے نیچے آتے ہیں اور اتنے آہستہ سے، کوئی ان کو گراتا کیوں نہیں ؟

"بیٹے جو خطرہ مول لے لیتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے دلیر کے ساتھ خُدا ہوتا ہے خواہ اس

کا مذہب کچھ ہو اصغر! جو خطرہ مول نہیں لے سکتا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بزدل کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔"

یہ ۴ دسمبر ہے، وہی افسر اپنی ماں کے حضور کھڑا ہے۔

"بے جی! اب پھر جہاد پہ جا رہا ہوں اسی کشمیر میں کافروں سے لڑوں گا۔ پچھلی بار محروم رہا تھا۔ اب کے آپ دعا کریں کہ میری مراد پوری ہو جائے کسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور مجھے سرخرو ہونے کا موقع مل جائے کسی طرح بستر کی موت کی ذلت سے بچ جاؤں۔"

"بے جی میں حشر میں بھی آپ کی خدمت کروں گا بس آپ دعا کریں اس بار اللہ میری آرزو پوری کر دے۔"

یہ ۲ مئی ۱۹۷۲ ہے، پاک فوج کا کرنل لیپا کی مسجد سے جمعہ کی نماز پڑھ کے نکلا اور لیپا کے بازار سے گزرتے ہوئے حاجی شیر زمان کی دوکان سے سفید لٹھے کا ایک ٹکڑا خریدا اور سر سے باندھ لیا، جو لوگ ساتھ تھے انہوں نے پوچھا۔

"کرنل صاحب! یہ کیا؟"

یہ میرے کفن کا حصہ ہے۔ شہادت کی مجھے برسوں سے آرزو ہے۔ آپ لوگ دعا کریں کہ مجھے شہادت نصیب ہو اور یہ ٹکڑا میرا کفن بن جائے اور ہاں ساتھ ہی یہ دعا ضرور کریں کہ جب تک چک پترا سے ہندوؤں کو نہ نکال دوں خدا مجھے موت نہ دے۔

یہ ۳ مئی ۱۹۷۲ ہے۔ لیپا ویلی میں ہندوستانی فوج نے پاکستان پوسٹ بیڑوالی نارڈ کا محاصرہ کر رکھا ہے دو دن سے پوسٹ کو رسد نہیں پہنچی۔ پوسٹ سے مواصلاتی نظام بھی کٹ چکا ہے۔ ویلی میں سخت کھنچاؤ ہے۔ اس حالت میں دونوں طرف کے کمانڈروں کی ایک میٹنگ ہوتی ہے۔ ہندوستان کی طرف سے کرنل چنگیا پا آتا ہے، ادھر سے یہ مرد مومن۔

"کرنل چنگیا پا آپ کا ملک اتنا بڑا ہے اس ذرا سی پوسٹ پر قبضہ کر کے آپ کیا حاصل کرنا چاہتے

ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ پوسٹ کا راستہ کھول دیں۔

"میں یہ راستہ نہیں کھول سکتا بہتر ہے کہ آپ یہ پوسٹ خود ہی چھوڑ دیں ورنہ جو کام ہم نے ایسٹ میں کیا ہے۔ ویسٹ میں بھی کر سکتے ہیں۔

کرنل چنگیایا۔ آپ غلطی پر ہیں آپ زیادتی کر رہے ہیں۔

"میں وہی کرتا ہوں جو میرے آقا مجھے حکم دیتے ہیں۔ میں یہ راستہ ہرگز نہیں کھول سکتا۔"

"پھر میں بھی وہی کروں گا جو میرا خدا مجھے حکم دے گا۔ راستہ ہم خود کھول لیں گے۔"

یہ واقعات اور مکالمے لیپا ویلی کے ہیرو لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید ستارہ جرأت (دو بار) سے متعلق ہیں۔ یہ مکالمے ان کی زندگی کی بعض قدروں اور ان کے کردار کی بعض بنیادی خصوصیتوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔

حق نواز کیانی ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی زندگی ہی میں ایک داستان بن جاتے ہیں جن حالات میں اور جس طریقے سے ان کی شہادت وادی کیان (لیپا ویلی) میں ہوئی اس نے انہیں قوم کا اور پاکستان کی عسکری تاریخ کا ایک ہیرو بنا دیا ہے۔

حق نواز کیانی شہید کی داستان حیات کے کچھ اوراق قدرے تفصیل سے پس منظر کے حوالے اور واقعات کے تجزیے کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

آباؤ اجداد

حق نواز کیانی کا نسلی تعلق گکھڑوں کے مشہور و معروف قبیلے سے تھا۔ جو صدیوں پہلے اٹک اور جہلم کے درمیانی علاقے میں اپنے زور بازو سے حکمرانی کرتے رہے ہیں اس زمانے سے لے کر دوسری جنگ عظیم تک گکھڑوں کے جیالوں اور جوانوں کا محبوب پیشہ سپاہ گری ہی تھا:

گکھڑوں کی مختصر تاریخ

پوٹھوہار کے علاقے میں گکھڑوں کا قبیلہ عرصہ دراز سے آباد ہے۔ ضلع ہزارہ، خانپور، کہوٹہ، ڈومیلی اور رہتاس کے قرب وجوار میں گکھڑوں کی آبادی نسبتاً زیادہ ہے۔

گکھڑوں کی اصل ونسل کے بارے میں مورخوں میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ گکھڑ یونانی النسل ہیں اور ان کا سلسلہ نسب سکندر اعظم تک جا پہنچا ہے۔ بعض ان کا رشتہ وسط ایشیا کے وحشی تورانی قبائل سے ملاتے ہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ گکھڑ خراسان اور افغانستان کے شمالی علاقوں سے نقل مکانی کر کے تیسری صدی عیسوی میں پنجاب میں آباد ہوئے لیکن بیشتر محققوں کا اتفاق اس امر پہ ہے کہ گکھڑ اصلاً ونسلاً کیانی ہیں اور ان کا سلسلہ نسب ایران کے گنگو ہر یا گگوار شاہ (عرف عام گکھڑ شاہ) سے شروع ہوتا ہے۔ یہ قبیلہ کبھی اصفہان میں حاکم تھا۔ وہاں سے یہ لوگ کشمیر اور تبت کی طرف بڑھے اور ایک عرصے تک وہاں کے حاکم رہے پھر انہیں واپس کابل دھکیل دیا گیا۔ اس کے بعد گکھڑ گیارہویں صدی میں محمود غزنوی کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوئے۔

اقبال نامہ جہانگیری اور اکبر نامہ میں گکھڑ شاہ کو محمود غزنوی کا ایک سردار بنایا گیا ہے۔

بہر حال یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ گکھڑ اصل میں ایرانی ہیں یہ پنجاب میں افغانستان کے راستے سے داخل ہوئے تھے اب کچھ گکھڑ اپنے ایران کے کیانی بادشاہوں سے نسبتی تعلق کی بنا پر اپنے آپ کو کیانی کہلاتے اور لکھتے ہیں۔ شروع میں گکھڑوں کے حاکم سلطان کہلاتے تھے۔ پھر انہوں نے راجہ کا لقب اختیار کر لیا۔ دہلی کے حکمرانوں کے ساتھ اس قبیلے کی اکثر ان بن رہی شہاب الدین غوری کے ساتھ تیرھویں صدی میں گکھڑوں نے ٹکر لی پہلے تو ان کو شکست ہوئی بعد کو جب غوری قنوج دہلی میں پرتھوی راج کو شکست دے کر اپنے وطن غور واپس جا رہا تھا تو راستے میں گکھڑوں نے شب خون مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ محمد تغلق کے دور میں گکھڑوں نے راوی تک کا علاقہ

فتح کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا تھا۔

ضلع جہلم میں یہ پہلے پہل سلطان پور کے علاقے میں داخل ہوئے اور جنجوعوں کے ساتھ کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں یہ غالب رہے۔ بابر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو اس کا مقابلہ پھر ہالہ ضلع (راولپنڈی) کے گکھڑ سردار ہاتھی خان سے ہوا۔ اس گکھڑ سردار کے چچازاد بھائیوں سلطان سارنگ خان اور آدم خان نے بابر کی کچھ مدد کی تھی۔ بابر نے پوٹھوہار کا علاقہ ان گکھڑ سرداروں کو دے دیا۔ مغل بادشاہوں کے دور میں گکھڑ اس علاقے کے خود مختار حاکم رہے۔ اکبر کا ایک سپہ سالار بھی گکھڑ تھا۔

۱۵۴۲ء میں جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو شکست دے کر اس کو کابل کی طرف بھاگنے پر مجبور کیا اور اس آویزش میں گکھڑوں نے ہمایوں کا ساتھ دیا۔ اس لئے ان کی سرکوبی کے لئے شیر شاہ سوری نے جہلم سے دس میل دور نالہ گھان کے کنارے رہتاس کا مشہور قلعہ بنوایا۔ شیر شاہ سوری کے ساتھ لڑائی میں گکھڑ سردار سلطان سارنگ خان مارا گیا اور اس کی بیٹی کی شادی سوری جرنیل خواص خان سے کر دی گئی۔ گکھڑوں کی لڑائی شیر شاہ کے جانشین اسلام شاہ کے ساتھ بھی جاری رہی۔ سلطان سارنگ خان کے مرنے کے بعد یہ قبیلہ زیادہ تر آپس میں برسرِ پیکار رہا۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں گکھڑوں کا سردار سلطان مقرب خان تھا جس نے یوسف زئی افغان اور خٹک کے جانگ کلی خان کو شکست دی۔ اس کے حوصلے بلند تھے وہ گجرات پر بھی چڑھ دوڑا اور راجپوتوں کے علاقے کو بھمبر تک فتح کر لیا۔ اس نے ہندوستان پر حملے کے دوران احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دیا۔ لیکن ۱۷۶۵ء میں سردار گوجر سنگھ سے گجرات کے مقام پر شکست کھائی۔ شکست کے بعد مقرب خان کو اس کے ایک گکھڑ بھائی سردار ہمت خان نے ہلاک کر دیا۔ انیسویں صدی کے وسط میں انگریزی عملداری شروع ہونے تک اس علاقے پر سکھ قابض رہے۔ انگریزوں نے گکھڑوں کی جاگیریں بحال کیں۔ خطابات سے نوازا اور ان کے زورِ بازو سے دو عالمی جنگوں میں فائدہ اٹھایا۔ پاکستان بننے کے بعد سے گکھڑ پاکستان کے بازو ئے شمشیر زن بنے ہوئے ہیں۔

گکھڑ نسلاً اور روایتاً جنگجو رہے ہیں۔ بہترین عسکری روایات کے حامل ایرانی النسل ہونے کے ناطے سے اب بھی اپنی قدوقامت رنگ وروپ، ڈیل وڈول کے لحاظ سے دوسروں سے عموماً ممتاز نظر آتے ہیں۔

گکھڑوں کی بہت سی گوتیں ہیں حق نواز کیانی کا تعلق گکھڑوں کی بگیال گوت سے تھا۔

حق نواز کے والد

حق نواز کیانی کے والد راجہ اللہ دتہ نے خاندانی روایات کے مطابق سپاہ گری کے پیشے کو اختیار کیا وہ پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں ۲/۶ راجپوتانہ رائفلز میں بھرتی ہوئے اور ترقی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے صوبیدار ہوئے تھے کہ ۶ جنوری ۱۹۴۰ء کو بنوں کے قریب قبائیلیوں سے ایک جھڑپ میں کام آئے۔ صوبیدار اللہ دتہ کی شخصیت کے متعلق ایک انٹرویو میں ان کے بھانجے میجر محمد یعقوب نے کہا۔

میری عمر اس وقت کم و بیش اسّی برس کی ہے۔ میں نے بڑے ماموں صوبیدار اللہ دتہ کا بچپن بھی دیکھا ہے ان کی شوخ جوانی بھی دیکھی ہے۔ ۳۸ برس کی عمر میں ان کا بنوں کے قریب قبائیلیوں سے ایک لڑائی میں کام آنا بھی یاد ہے۔

صوبیدار اللہ دتہ عام قسم کے نہیں بلکہ بڑے زندہ دل اور زوردار قسم کے صوبیدار تھے۔ ان کی صلاحیتیں حق نواز سے کم نہیں زیادہ تھیں۔ قد کاٹھ، صورت وشکل میں بھی وہ لاجواب تھے۔ بہت زندہ دل اور پرامنگ آدمی تھے۔ اپنی صلاحیتوں اور طرز زندگی کی انفرادیت کی وجہ سے اپنی پلٹن میں ہی نہیں ساری رجمنٹ میں مشہور تھے ان کے انگریز افسر انہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

صوبیدار صاحب مرحوم میں متضاد صفات یکجا ہو گئی تھیں۔ مزاج کے بڑے تند تھے۔

بات بات پر لڑنے مرنے پہ تیار ہو جاتے تھے۔ خطر پسند تھے۔ نڈر تھے۔ بچپن میں بھی جوانی میں بھی ان کی موت بھی بے خوفی سے کھلے میدان میں قبائیلیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے ہوئی۔ دوسری طرف مزاج میں شوقینی بھی تھی۔ کپڑے پہننے کا۔ ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے کا گانے بجانے کا شوق بھی تھا۔ اس زمانے کے لحاظ سے خاصے پڑھے لکھے تھے۔ میٹرک کیا تھا۔ آرمی اسکول آف ایجوکیشن بلگام (جنوبی ہند) میں ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۴ء تک انسٹرکٹر رہے تھے۔ ان کے والد راجہ غلام رسول خان بھی قدآور اور رعب دار آدمی تھے۔ چچا غلام محمد فوج میں جمعدار (نائب صوبیدار) تھے۔

مشہور ہے کہ ابھی صوبیدار اللہ دتہ حولدار ہی تھے کہ انہوں نے ایک بڑی دعوت کی۔ آس پاس کے معتبر اور معزز لوگوں کو بلایا۔ دعوت میں دل کھول کے پیسہ خرچ کیا بعد میں گانا بجانا بھی ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کوئی حوالدار اللہ دتہ بھی مونا پنڈ میں رہتا ہے اور کچھ حیثیت رکھتا ہے۔ جب وہ چھٹی پہ آتے تھے تو بڑی محفلیں آراستہ کراتے تھے۔ رات رات بھر محفلیں جمتیں خود بھی ہارمونیم پر گاتے۔ دوست احباب جمع ہوتے اور مجلس آرائی ہوتی۔

صوبیدار اللہ دتہ کو صاف ستھرے سلیقے سے بلکہ اہتمام سے کپڑے پہننے کا بہت شوق تھا۔ وردی بے داغ ہوتی تھی دھوبی سے کہا ہوا تھا کہ میرے کپڑے علیحدہ دھویا کرو میں تمہیں اس کے علیحدہ پیسے دوں گا۔ دوسری ہدایت یہ تھی کہ ان کی پتلون کو تہہ نہ کیا جائے خاص قسم کے ہینگر پر ان کی پتلون سیدھی لٹکائی جاتی تھی اور وہ اسے اس اہتمام سے پہنتے تھے کہ بہت کم شکن پیدا ہوتی۔

۸ جنوری ۱۹۴۰ء کو لوتم برگ کے مقام پہ مارے گئے یہ مقام کوہاٹ سے بنوں روڈ پہ ۷ا میل کے فاصلے پہ ہے۔ وہاں ایک چھوٹا سا پل ہے جہاں یہ حادثہ پیش آیا۔

یہ علاقہ قبائیلیوں کی لوٹ مار کی زد میں تھا۔ آمد و رفت کو محفوظ کرنے کے لئے وہاں فوج

کا ایک دستہ تین تین مہینے کی ڈیوٹی پر رکھا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں صوبیدار اللہ دتہ کو ایک کمپنی کی کمان دے کر وہاں بھیجا گیا چونکہ یہ مجلسی آدمی تھے گانے بجانے سے بھی شوق تھا۔ (گراموفون ریکارڈ اور ساز ساتھ تھے) اس شوق سے انہوں نے کام لیا اور موسیقی کی محفلیں آراستہ کرنے لگے جس میں آس پاس کے قبائیلیوں کو بھی دعوت دیتے۔ کھانا پینا بھی ہوتا۔ اپنا زمانہ ڈیوٹی پورا ہونے پر صوبیدار اللہ دتہ نے ایک بڑی ضیافت کا اہتمام کیا اور اپنے قبائلی دوستوں کو بھی بلایا۔ دوسرے روز وہ روانہ ہوئے ابھی کنولائے، انگ میل پر پہنچا تھا کہ اس پر فائر ہوا۔ کنولائے کی کمان صوبیدار اللہ دتہ کے بھائی حوالدار محمد جان کر رہے تھے۔ فائرنگ کی آواز سن کر حوالدار محمد جان نے ڈرائیور سے کہا گاڑی تیز کرو اور دوسری گاڑیوں کے ساتھ پل کو پار کر لیا لیکن صوبیدار اللہ دتہ نے اپنے ڈرائیور سے کہا گاڑی روک لو۔ اب بھاگنا بزدلی ہے۔ ان کو سبق سکھانا چاہیئے۔ وہ گاڑی سے نکل آئے۔ پستول نکالا ایک جوابی فائر کیا اور پوزیشن لے لی۔ دونوں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ آخر کار ایک گولی ان کے سینے میں آ کے لگی اور اس نے ان کا کام تمام کر دیا۔

بعد کو جب قبائیلیوں کو معلوم ہوا کہ انہوں نے تو صوبیدار اللہ دتہ کو مار دیا ہے تو انہیں بہت افسوس ہوا وہ لوگ ان کے گاؤں تک آئے۔ کہتے تھے کہ لاعلمی میں ان کو نقصان پہنچ گیا۔ اس ایکشن پر صوبیدار اللہ دتہ کو انعام و کرام دیا گیا۔ ان کا کمانڈنگ افسر لیفٹیننٹ کرنل میکے ان کے گاؤں موہنپڈ تک آیا تھا۔ مختصر یہ کہ بہت سی خوبیاں اور عادتیں حق نواز نے اپنے باپ سے وراثت میں پائی تھیں۔ وہی انتہا پسندی وہی پرجوش طبیعت، وہی انجام سے بے نیازی وہی کھلا ہاتھ اور کھلا دل۔ فرق صرف یہ تھا کہ حق نواز کا قلب جلد ہی ایک مرشد کی توجہ سے روشن ہو گیا تھا جس نے اس کی زندگی کا رخ بدل دیا تھا۔

پیدائش

جہلم شہر کے مغرب میں جی ٹی روڈ سے تقریباً بارہ پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر کالاڈیو کے قریب لہلہاتے کھیتوں میں گھرا ہوا ایک گاؤں موہڑہ پنڈ ہے جہاں گکھڑوں کے کچھ خاندان آباد ہیں اس گاؤں کی مسجد کے قریب ایک کشادہ مکان ہے جو اب پکا ہو چکا ہے۔ یہاں ۱۰ ر جنوری ۱۹۲۶ء کو صوبیدار اللہ دتہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا چونکہ اللہ نے انہیں دو بیٹیوں کے بعد ایک بیٹے سے نوازا تھا۔ غالباً اس لئے انہوں نے اس کا نام حق نواز رکھا لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ اس بچے پر آگے چل کر حق تعالےٰ کی خصوصی نوازش ہوگی اور وہ ایک روز پاکستان اور پاکستان کی فوج کا ایک ہیرو بنے گا اور محض اس وجہ سے ان کا نام بھی تاریخ میں زندہ رہے گا۔

بچپن

حق نواز کے بچپن کے بارے میں ان کی والدہ کہتی ہیں :

حق نواز دو بیٹیوں کے بعد ہوا تھا اس لئے اس کا لاڈ پیار بھی زیادہ تھا۔ تھا بھی بڑا پیارا۔ چار پانچ برس کا ہوا تو قرآن شریف پڑھنے قریب کی مسجد میں بٹھا دیا گیا۔ بڑا شرارتی تھا۔ ضدی بھی تھا۔ ہٹ کا پکا۔ جس کام پر طبیعت مائل ہوتی اسے کر گزرتا۔ چھوٹا تھا تبھی کوٹھے سے چھلانگ لگا لیتا تھا۔ گاؤں کے بچوں کے ساتھ کشتی اور کبڈی کھیلتا تھا۔ گھوڑے کی سواری کا بھی شوق تھا۔ گاؤں میں جو بچھیرے ہوتے ان پر سواری کیا کرتا تھا اس کی گھوڑ سواری کا ایک واقعہ مجھے اب بھی یاد ہے۔

حق نواز بمشکل دس گیارہ برس کا ہوگا کہ ایک بچھیرے پر سواری کر رہا تھا۔ بچھیرا ذرا بڑا اور تیز تھا سنبھال نہ سکا اور گر گیا۔ چوٹ لگی۔ پھر اٹھا اور سوار ہوگیا۔ تھوڑی دور چلا ہوگا کہ

نٹ کھٹ گھوڑے نے دوبارہ گرا دیا۔ پھر چوٹ لگی۔ جو لوگ دیکھ رہے تھے انہوں نے کہا لڑکے بس کرو بہت ہو چکی لیکن اس نے سُنی ان سُنی کر دی اور تیسری بار پھر گرا، اس بار خاصی چوٹ لگی خون بھی نکل آیا۔ لیکن یہ کہاں چھوڑنے والا تھا پھر سوار ہو گیا اور اب کے گھوڑے کی باگیں اس زور سے کھینچیں اور اسے اتنا دوڑایا کہ گھوڑے کو پسینہ آ گیا۔ اسے کہنے لگا، بچو، اب جمپ کر، اب مجھے گرا، اگر گرانے کی ہمت ہے۔ گھوڑا خاصا تھک چکا تھا لیکن اس نے اس کی جان نہیں چھوڑی جب تک اپنا دل نہ بھر گیا۔

موہڑہ پنڈ میں حق نواز کیانی کے بچپن کے دو دوست مستری محمد صادق اور راجہ محمد نواز اب بھی موجود ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ کیانی شہید کے بچپن کی خاص بات انہیں یاد ہو تو بتائیں تو انہوں نے کہا،

کیانی ہم سب کے ساتھ کبڈی اور گلی ڈنڈا وغیرہ کھیلتے تھے۔ کبھی کبھار کُشتی بھی ہو جاتی تھی۔ کیانی کو پرندوں کے شکار کا شوق تھا۔ غلیل لئے میلوں ان کے پیچھے بھاگتے رہتے تھے۔ بچھیرُل پر سواری کا شوق تھا۔ گھوڑے سے گرتے بھی لیکن باز نہیں آتے تھے۔

کیانی غصے کے بڑے تیز تھے۔ کھیل میں کوئی لڑکا ذرا بھی بے ایمانی کرتا تو فوراً ہاتھ چھوڑ دیتے تھے پھر خواہ کتنی ہی پٹائی ہو۔

حق نواز نے اور ہم نے قرآن شریف گاؤں کی مسجد میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ پھر ہم کالا گوجراں اسکول میں داخل ہو گئے۔

ابتدائی تعلیم

حق نواز نے پانچویں درجے تک پرائمری اسکول کالا گوجراں میں تعلیم حاصل کی کچھ دنوں کوہاٹ کے ایک اسکول میں بھی پڑھا وہاں سے چھٹی جماعت پاس کر کے تیرہ برس سات مہینے کی عمر میں کنگ جارج رائل انڈین ملٹری اسکول جہلم سرائے عالمگیر میں داخل ہوئے۔

حق نواز ملٹری کالج جہلم میں

حق نواز ملٹری کالج میں ۱۰ اگست ۱۹۳۹ء کو ساتویں درجے میں داخل ہوئے۔ ۸۲۵ کالج نمبر ملا۔ اور ان کا ہاؤس بر ڈووڈ ہاؤس (ایم۔ جی۔ ہاؤس) تھا۔ اگست ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۳ء تک تقریباً چار سال حق نواز کالج میں رہے۔ جب وہ کالج میں داخل ہوئے تو گمنام تھے۔ اس سال کے داخل ہونے والے پچاس ساٹھ لڑکوں میں صرف ایک لیکن جب کالج چھوڑا تو اپنے گروپ کے سب سے زیادہ ممتاز کیڈٹ تھے۔ جب تک حق نواز کالج میں رہے کالج پر چھائے رہے۔ خصوصاً آخری دو سالوں میں جب وہ کالج بٹالین کے ایڈجوٹینٹ اور سینئر کمانڈر تھے۔

ملٹری کالج میں حق نواز کے شب و روز اور کارناموں کی داستان ان کے جونیئر اور سینئر دوستوں، ساتھیوں کی زبانی سنیئے۔

ہم مکتب دوستوں کے تاثرات

کالج نمبر ۸۷۹۔ کیپٹن نواب خان ملک لکھتے ہیں :-

میں ۱۹۴۰ء میں کالج میں داخل ہوا تو مجھے رابرٹس ہاؤس ملا اور سیکشن نمبر دو۔ ۸۲۵ حق نواز کیانی میرے سیکشن کمانڈر تھے۔ کیانی ڈسپلن کے بہت سخت تھے۔ ہمارے ہاؤس ماسٹر رسالدار عبدالوہاب تھے۔ ۱۳ لانسرز کے وہ بھی اچھے آدمی تھے۔ ہمارے کمانڈر کیانی صاحب پر کمانڈانٹ میجر اسٹیبنگ اور ان کی بیگم بہت مہربان تھے۔ اس کا ہمیں فائدہ بھی تھا نقصان بھی۔ فائدہ یہ کہ مسز میجر اسٹیبنگ کیانی کی سیکشن کو آئس کریم وغیرہ کھلانے اکثر بلاتی تھیں نقصان یہ کہ ہماری سیکشن کا انسپکشن زیادہ ہوتا تھا اور سخت ہوتا تھا۔ کبھی کبھی کلاسز کے دوران ہی ہماری سیکشن کو کمانڈانٹ کے دفتر کے سامنے فالین ہونے کا حکم مل جاتا۔ انسپکشن اچھی ہوتی تو انٹر ہاؤس فلیگ کے کچھ نمبر مل جاتے اگر انسپکشن میں کوئی کمی رہ جاتی تو سزا بھی ملتی تھی۔ حق نواز کی ایک بڑی خوبی ہمیں یاد ہے کہ وہ ہمیں چھٹی وغیرہ بھی دلا دیا کرتے تھے اس زمانے میں اتوار

کو باہر جانے کی اجازت ملنا ایک نعمت تھی ۔حق نواز، وہاب صاحب سے یا اسٹیبنگ سے کہہ سن کر ہمیں باہر جانے کی اور دوسری کئی رعائتیں دلواتے تھے ۔ہاں یاد آیا حق نواز بڑے اچھے باکسر تھے ۔بعد کو جب وہ کالج کے ہیڈ بوائے بنے تو ان کا بڑا دبدبہ تھا ۔اصل میں حکومت ان ہی کی تھی ۔

کالج میں حق نواز کیانی کے ایک اور جونیئر سے انٹرویو سنیئے ۔

<u>صوبیدار میجر شہزادہ عالم کا انٹرویو</u>

سوال :۔ شہزادہ عالم صاحب ۔کرنل حق نواز کیانی کی کوئی یاد آپ کے ذہن میں محفوظ ہے ؟

جواب :۔ میرا کالج نمبر ۱۲۳۸ ہے ، حق نواز کیانی مجھ سے بہت سینئر تھے جب میں اگست ۱۹۳۳ء میں داخل ہوا تو وہ کالج کے ہیڈ بوائے تھے کالج میں صرف ایک سال میں نے انہیں دیکھا ۔وہ ذرا فاصلے سے پھر بھی ان کی دو چار باتیں میرے ذہن میں اب بھی تازہ ہیں ۔

سوال :۔ مثلاً

جواب :۔ میرے ذہن میں ان کی پہلی تصویر سوئمنگ پول کی ہے ۔زندگی میں پہلی بار میں نے انہیں ہی بلندی سے پانی میں الٹی چھلانگیں لگاتے دیکھا ۔

سوال :۔ الٹی چھلانگ سے آپ کی کیا مراد ہے ؟

جواب :۔ کالج کا سوئمنگ پول آپ نے دیکھا ہے پہلے وہ سیڑھیوں سے اوپر چڑھتے تھے پھر ڈائیونگ بورڈ پر پیچھے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر قلابازی کھا کر سیدھے نیچے پانی میں جاتے تھے میں چونکہ نیا لڑکا تھا مجھے یہ کرتب بڑا حیرت انگیز لگا حق نواز کو سوئمنگ ہی میں نہیں دوسرے تمام کھیلوں میں بھی کمال حاصل تھا ۔

سوال:۔ کوئی اور تاثر؟

جواب:۔ میرے ذہن میں دوسری تصویر اس منظر کی ہے کہ کالج ہال میں سارا کالج جمع ہے۔ کمانڈانٹ کرنل اسٹبنگ بھی موجود ہیں کہ حق نواز ہیڈ بوائے کی وردی میں سامنے آ کر مثالی سیلوٹ کا نمونہ پیش کرتے ہیں پھر سارا کالج ان کے سیلوٹ کی نقل کرتا ہے۔ یہ ایک طرح کی ڈرل تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا سیلوٹ بہترین تھا اور کمانڈانٹ کا حکم تھا کہ سب لڑکے ان کی طرح سیلوٹ کرنا سیکھیں۔

سوال:۔ اس کے علاوہ کوئی اور یاد؟

جواب:۔ ہاں یہ بھی یاد ہے کہ مغرب کی نماز کے بارے میں بڑے سخت تھے۔ نماز کے بعد تمام ہاؤسوں کو فال ان کر کے چیک کرتے تھے اگر ایک لڑکا بھی ادھر ادھر ہوتا تو کمپنی کمانڈر سے جواب طلب کرتے۔ طبیعت میں تندی تھی۔ چہرہ ایک دم سرخ ہو جاتا تھا۔ جب سزا دینے پر آتے تو سخت سزا دیتے۔ ان کا بڑا رعب تھا۔

اب حق نواز کیانی کے دو سینئروں کے تاثرات پیش کئے جاتے ہیں۔

لیفٹیننٹ کرنل رشید احمد کیانی (ستارہ جرأت) لکھتے ہیں:۔

ہم نے کالج کے صدر دروازے کے اندر قدم ۱۹۳۸ء میں رکھا تھا۔ کیانی بھائی دو ایک سالوں ہی میں ایک خوبصورت اور خوب سیرت نوجوان بن کر ابھرے اور نکھرے اس وقت اس کا چہرہ خوبصورت اور رنگ سرخ و سپید۔ بدن چھریرا اور بانکا چال ڈھال خوبصورت طبیعت میں شوخی اور شرارتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ با ذوق بے دھڑک اور ہر کام میں نڈر اور بے خوف ہر کام میں پیش پیش۔ تعلیم اور کھیل کود کے میدان میں بھی پیش پیش۔ بہترین دوست اور ہمدرد۔ با اصول اور وعدہ کا پکا، اصولوں پر قربانی دینے اور نقصان اٹھانے کے لئے ہمیشہ تیار۔ اپنی غلطی کو مان کر ہمیشہ سزا خوشی خوشی قبول کرنا لیکن جو کچھ کرنا ہوتا وہ بے دھڑک کر گزرتا۔ ان کی طبیعت کا شاید یہی لاابالی پن تھا کہ ان سے اکثر غیر معمولی چیزیں ہو جاتیں۔ کمانڈانٹ

انہیں اکثر سزا دینے پر مجبور ہو جاتے اور باوجود حق نواز کا گارڈین ہونے کے کبھی بھی معاف نہ کرتے۔ یہ نوجوان بے پناہ خوبیوں کا حامل تھا۔ جنہیں اجاگر صرف ایک بہترین استاد ہی کر سکتا تھا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر کالج، ملک اور قوم کے نام کو چار چاند لگائے گا۔ میدان جنگ میں شہادت حاصل کرتے ہوئے زندہ جاوید ہو جائے گا۔

یہاں مجھے اپنے یہ شعر بے ساختہ دہرانے کو جی چاہ رہا ہے کہ

تساں گھبرو شیر جواناں توں میں صدقے جاواں بسم اللہ

ایم سی کالج تے استاداں توں میں صدقے جاواں بسم اللہ

سوہنے یاراں بیلیاں ساتھیاں توں میں صدقے جاواں بسم اللہ

حق نواز کیانی کالج کے پہلے ایڈجوٹینٹ بنا دیئے گئے وہ سخت طبیعت، سخت جان۔ ڈسپلن پسند ہونے کی حیثیت سے بہترین ایڈجوٹینٹ ثابت ہوئے اور سب سینئرز ۱۹۴۳ء اریل کیشن کے لئے نوگانگ چلے گئے تو انہیں کالج بٹالین کمانڈر یعنی ہیڈ بوائے بنا دیا گیا جو کہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ جسے انہوں نے کالج میں رہتے ہوئے اور بعد کے کارہائے نمایاں سے ثابت کر دیا کہ وہ اس اعزاز کے قابل تھے۔ ہم دونوں کالج کی باکسنگ ٹیم میں اکٹھے کھیلے اور کئی مرتبہ کالج کے لئے جھنڈا اور ٹرافیاں جیت کر لائے رہیں کالج کی باکسنگ ٹیم کا کالج چھوڑنے تک ٹیم کیپٹن رہا۔ کیانی اپنے وزن میں باکسنگ کے بہترین کھلاڑی تھے۔ جب ہم نے آل انڈیا باکسنگ چیلنج کپ ۱۹۴۳ء جہلم میں جیتا تو کیانی نے اپنے مدمقابل کو ناک آؤٹ کر کے اپنا مقابلہ جیتا۔ اس مقابلے میں یہ ریکارڈ ہے کہ ٹیم نے نو کی نائٹ میں چار ناک آؤٹ کے ساتھ جیت کر ریکارڈ قائم کر دیا جو شاید آج تک قائم ہے۔ وہ ہاکی بھی فارورڈ کی حیثیت سے بہت عمدہ کھیلتے تھے۔ کیانی بھائی کا ریکارڈ ہر لحاظ سے نہایت ہی شاندار رہا۔ وہ پنجاب اور پاکستان کے گھبرو پت کی حیثیت سے جیئے اور مرے۔

بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) محمد اقبال لکھتے ہیں :-

میرا کالج نمبر ۳ ۴۳، ہے میں کے۔ جی۔ آر۔ ایم اسکول جہلم میں ۱۹۳۸ء میں ساتویں درجے میں داخل ہوا تھا۔ جب ۱۹۴۲ء میں کالج کا ہیڈ بوائے تھا تو حق نواز میرے ایڈجوٹینٹ تھے۔ اگلے سال ۱۹۴۳ء کے اوائل میں کمیشن کی پری کیڈٹ تربیت کے لئے جب میں کچنز کالج نوگانگ بھیجا گیا تو حق نواز نے میری جگہ لی اور ۱۹۴۳ء میں وہ ہیڈ بوائے بنے جو اس زمانے میں کالج میں کسی لڑکے کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ کالج کی بٹالین کے سینئر کیڈٹ افسر کی حیثیت سے وہ تمام کیڈٹوں سے سیلوٹ لینے کا مجاز تھا۔ اندازہ کیجئے ہیڈ بوائے کالج کے چار ساڑھے چار سو لڑکوں کا کمانڈر ہوتا تھا اور اسٹاف کے بعد اس کی سب سے زیادہ عزت کی جاتی تھی۔ ۱۹۴۲ء سے کالج میں پبلک اسکول طرز کے عہدے تھے جونیئر پریفیکٹ سینئر پریفیکٹ۔ ہاؤس پریفیکٹ وغیرہ تھے۔

۱۹۴۲ء میں جنگ عظیم زوروں پر تھی اس کی وجہ سے پاکسی اور مصاحت سے کمانڈانٹ کرنل اسٹیننگ نے کالج کو ایک انفنٹری بٹالین کے نمونے پر نئے سرے سے منظم کیا۔ ہر ایک ہاؤس کی ایک کمپنی اس کا ہیڈ بوائے کمپنی کمانڈر کہلاتا تھا اور ایک کمپنی میں دو پلٹونیں ان کے دو دو پلٹون کمانڈر ان کے ماتحت تین کارپورل یا سیکشن کمانڈر ہوتے۔ کالج کی چار (بعد کو پانچ) کمپنیوں پر ایک بٹالین کمانڈر تھا۔ (جو سینئر کیڈٹ آفیسر کہلاتا تھا) ۱۹۴۲ء میں جب میں کالج کی بٹالین کا پہلا سی او بنا تو بٹالین کی طرز پر میرا ایک سیکنڈان کمانڈ بھی مقرر ہوا۔ (۵۲، کرنل رشید احمد اور ۸۳۵ حق نواز کو میرا ایڈجوٹینٹ بنایا گیا۔ اس زمانے میں سب سینئر کیڈٹس اپنے جونیئرز سے سیلوٹ لیتے تھے۔

کالج بٹالین کے ایڈجوٹینٹ کی حیثیت سے حق نواز صرف کامیاب ہی نہیں بہت کامیاب تھے۔ بے حد سمارٹ، بے حد چست اور چاق و چوبند۔ ایک بہترین بٹالین کے بہترین ایڈجوٹینٹ میں جو صفات ہونی چاہئیں وہ ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ حق نواز کیانی اس زمانے کے ابھرتے ہوئے لڑکوں میں سے تھے۔ بہترین، باکسر، جمناسٹ اور تیراک۔ چونکہ کمانڈنٹ

کرنل اسٹیلنگ ان کے خصوصی سرپرست تھے۔ اس لئے ان کی پرداخت پر انہوں نے خصوصی توجہ کی۔ حق نواز ۱۹۴۳ء میں ہیڈ بوائے بنے اور اس حیثیت سے بھی بہت کامیاب رہے۔ جس طرح ۱۹۴۳ء کے لئے بہترین کیڈٹ ہونے کا میڈل (گارڈنر میڈل) مجھے ملا تھا۔ ۱۹۴۴ء کے لئے یہ اعزاز کیانی کے حصے میں آیا۔ گارڈنر میڈل کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے چونکہ اب میڈل ختم کر دیا گیا ہے تاریخی حوالے کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ کیا تھا اور کیسے دیا جاتا تھا۔ یہ میڈل کالج کے سب سے سینئر کلاس کے لڑکوں میں سے سب سے اچھے آل راؤنڈ کیڈٹ کو دیا جاتا تھا۔ اور اس کے لئے انتخاب ہوتا تھا۔ سب لڑکے اپنا ووٹ دے کر اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ اسٹاف کے ووٹوں کا وزن کچھ زیادہ ہوتا تھا۔ گارڈنر میڈل کے لئے الیکشن کے وقت کالج میں بڑا جوش پایا جاتا تھا۔ بڑے دھوم دھام سے ووٹنگ ہوتی تھی۔ اصل میں یہ بھی تربیت کا ایک ذریعہ تھا۔ اس وقت تو نہیں اب مجھے اس کی قدر و قیمت کا زیادہ احساس ہو رہا ہے اس طرح کے مقابلوں سے اچھے لڑکوں کو بڑی شہہ ملتی ہے۔ ۴۴-۱۹۴۳ء کے لئے حق نواز کو جو گارڈنر میڈل دیا گیا وہ بالکل برحق تھا۔ کیانی نے دوبارہ ستارۂ جرأت لے کر ثابت کر دیا کہ وہ ہر طرح اس اعزاز کے مستحق تھے۔ حق نواز میں وہ چیز تھی جسے جرأتِ رندانہ کہتے ہیں۔ یہی چیز امن کے زمانے میں ان کے لئے بعض مشکلات کا سبب بنی تھی۔ لیکن اسی نے انہیں ستارۂ جرأت دلوایا اور شہادت سے ہمکنار کیا۔ حق نواز کی یاد میں کالج میں بھی کوئی مستقل یادگاری کام ہونا چاہیئے حق نواز کی اسپرٹ کو زندہ رکھنے کی بہت ضرورت ہے۔

میجر جنرل (ریٹائرڈ) ممتاز علی ستارۂ جرأت (دوبار) اور کرنل حق نواز کیانی ستارۂ جرأت (دوبار) کالج میں ایک ساتھ داخل ہوئے تھے۔ دونوں کا کالج میں کئی سال ساتھ رہا۔ بعد کو بھی ملتے رہے۔ اس تعلق کی بنا پر ہم نے جنرل ممتاز علی کو لکھا کہ وہ اپنے ساتھی حق نواز کیانی کے بارے میں اپنے تاثرات سے ہمیں نوازیں، تو ان کا یہ جواب آیا۔

حق نواز میرے ہمعصر تھے اور کالج کے انتہائی ہونہار اور ممتاز طلبہ میں سے تھے۔ کالج کے ہیڈ بوائے بھی رہے۔ کمانڈنٹ کرنل اسٹیبنگ کی ان پر خصوصی توجہ تھی جس کی وجہ سے ہم کیڈٹس یہی سمجھتے تھے کہ کرنل اسٹیبنگ نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ کرنل صاحب بالکل اپنے بیٹے کی طرح ان کی تربیت کرتے تھے۔ لیکن ان کی کوئی رعائت نہیں کرتے تھے۔ اگر حق نواز بھی کوئی غلطی کرتے تو ان کو بھی سخت سزا دیتے تھے۔ اسٹیبنگ نے حق نواز کو بیٹا کیوں بنایا تھا اس کا راز بعد کو کھلا۔ اصل میں اسٹیبنگ نے انہیں بیٹا نہیں بنایا تھا۔ سرکارِ برطانیہ نے بنایا تھا۔ ان کے والد صوبیدار اللہ دتہ کسی سرحدی مشن میں کام آئے تھے۔ ان کے کمانڈنگ افسر نے یہاں کالج کو لکھا کہ صوبیدار اللہ دتہ کے بیٹے کی ہر طرح دیکھ بھال کی جائے۔ چنانچہ اسٹیبنگ نے ان کی خصوصی دیکھ بھال کی۔ گویا اسٹیبنگ کی نظرِ کرم انفرادی نہیں قومی تھی۔ وہ ایک قومی فریضہ ادا کر رہا تھا۔ انگریزوں کی داد دینی پڑتی ہے کہ وہ اپنے محسنوں کو نہیں بھولتے اسٹیبنگ کی میں تعریف کروں گا کہ انہوں نے ہماری بہترین تربیت کی۔ کالج کے لڑکوں کے لئے وہ اور ان کی مسز دیوانہ وار دن رات لگے رہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے انگریز کی قابلیت اور صلاحیت کا لوہا ہم سے منوا لیا اور تاج برطانیہ کو بہترین افسر دیئے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد کو حالات نے ایسا رُخ بدلا کہ یہی افسر پاکستان کے استقلال اور استحکام کا ذریعہ بنے۔ کشمیر آپریشن میں اور بعد کے معرکوں میں ایم۔ سی اولڈ بوائز نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

حق نواز بحیثیت طالب علم کے زیادہ نمایاں نہیں تھے ان کا اصل میدان کھیل اور لیڈرشپ تھا۔ بڑے ذہین، تیز طرار اور جارحانہ مزاج کے تھے۔ تندو تیزی ان کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ بڑے وجیہہ اور شکیل تھے اور خوش لباس بھی۔ وہ کئی اعتبار سے کالج کے اسمارٹ ترین کیڈٹس میں سے تھے۔ جب کالج کے ہیڈ بوائے ہوئے تو ان کے رعب اور طنطنے کا انداز دیکھنے کے قابل تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کمانڈ ان ہی کی ہے۔

حق نواز کے یارِ غار اور زندگی بھر کے دوست میجر محمد سرور خان لکھتے ہیں :-

حق نواز کیانی کالج میں ۱۹۳۹ء میں داخل ہوئے تھے گویا مجھ سے ایک سال بعد لیکن ہم دونوں کی ایک کلاس تھی۔ ہاؤس بھی ایک، اس لئے جلد بے تکلفی ہو گئی گہری دوستی کی ایک اور وجہ بھی تھی کہ ہم دونوں جہلم کے قریب کے دو ہمسایہ گاؤں کے تھے اور ہمارے بزرگوں کے بھی آپس میں تعلقات اور مراسم تھے۔

کالج کے زمانے میں حق نواز بے حد شوخ اور شرارتی تھے بلکہ شرارتی لڑکوں کے سرغنہ تھے۔ ایک چیز جو شروع ہی سے نمایاں تھی وہ ان کی غیر معمولی جسمانی چستی اور توانائی اور طبیعت کی بے چینی اور تندی تھی۔ ان میں ایک طرح سے پارہ کی سی صفت تھی۔ کبھی نچلے نہ بیٹھ سکتے تھے۔ کچھ نہ کچھ کرتے رہتے۔ اپنی غیر معمولی جسمانی پھرتی اور قوت کی وجہ سے وہ تمام آؤٹ ڈور مشاغل میں اگر سب سے اچھے نہیں تو کالج کے دس بہترین لڑکوں میں سے ضرور تھے۔ بہت اچھے تیراک تھے۔ ہاکی کھیلنے میں بھی مہارت تھی۔ باکسنگ میں بھی امتیاز رکھتے تھے۔ باکسنگ رنگ میں ان کی چلت پھرت اور پھرتی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ پی۔ ٹی میں بھی کیانی خوب چمکے تھے۔ ان دنوں پی۔ ٹی کے ساتھ جمناسٹک کی خاصی پیچیدہ مشقیں کرنی پڑتی تھیں۔ کیانی جمناسٹک میں طاق تھے۔ اکہرا بدن تھا۔ بجلی کی طرح کودتے پھاندتے تھے۔ پی ٹی اور جمناسٹک میں کمال کی وجہ سے ان کا نِک نیم چائنا بولا تھا۔ کچھ شکل میں بھی شباہت نکلتی تھی۔ رخسار کی ہڈیاں قدرے ابھری ہوئی ناک چھوٹی اور کم اونچی، چہرہ ذرا گول سا اور رنگ ہلکی سی پیلاہٹ لئے ہوئے۔

کیانی کو کالج کے مختلف مدارج کے عہدے اپنی صلاحیتوں اور کارکردگی کی وجہ سے جلد جلد ملے ۱۹۴۰ء میں وہ رابرٹس ہاؤس کی نمبر دو سیکشن کے جونیئر پریفیکٹ یا کارپورل تھے اور پھر مختلف مدارج سے گزرتے ہوئے وہ ۱۹۴۳ء میں کالج کے ہیڈ بوائے بنے جو کسی کیڈٹ

کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ ۱۹۴۴ء میں کالج کے آل راونڈ بہترین کیڈٹ کا تمغہ گارڈنز میڈل دیا گیا۔

حق نواز کیانی کا یا اس دور کے کسی لڑکے کا تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس وقت کے کمانڈانٹ لیفٹیننٹ کرنل سٹیبنگ کا تذکرہ نہ کیا جائے ان کے محرکات خواہ کچھ بھی ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ سینئر لڑکوں کو آفیسر معیار پر لانے کے لئے بہت زیادہ کاوش کرتے تھے۔ جو لڑکے پی اے اسپیشل کر لیتے تھے وہ ان کے لئے خصوصی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتے تھے اور اکثر خود پڑھاتے تھے ان کا معیار بہت سخت تھا اور ذرا کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ حق نواز کیانی پر وہ بہت توجہ دیتے تھے اور بہت خیال کرتے تھے بلکہ بعض لوگ تو اس زمانے میں دبی دبی زبان سے یہ بھی کہتے تھے کہ کمانڈانٹ نے کیانی کو سر پہ چڑھا رکھا ہے۔ اس میں کچھ حقیقت بھی تھی۔ اسٹیبنگ کیانی کا خیال باپ کی طرح رکھتے تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ انہوں نے کیانی کو بیٹا بنایا ہوا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب جنوری ۱۹۴۰ء میں حق نواز کے والد صوبیدار اللہ دتہ کوہاٹ کے قریب قبائلیوں سے جنگ کرتے ہوئے کام آئے تو راجپوتانہ رائفلز کے ایک سینئر افسر نے کمانڈانٹ کو خط لکھا کہ صوبیدار اللہ دتہ کے لڑکے کی سرپرستی کی جائے اور اس کی تعلیم کی دیکھ بھال کی جائے۔ اس وجہ سے اسٹیبنگ اور ان کی بیگم حق نواز پر خاص طور پر سے مہربان تھے۔

۱۹۴۴ء کے شروع میں کمانڈانٹ میجر اسٹیبنگ نے بہت کوشش کر کے جی ایچ کیو سے اپنے چنے ہوئے لڑکوں کو سروسز سلیکشن بورڈ کے سامنے براہ راست بھیجنے کی اجازت لی۔ اس سے پہلے بھی ہر سال کچھ لڑکے کمیشن کے لئے منتخب کئے جاتے تھے لیکن وہ پہلے کچنر کالج نوگانگ بھیجے جاتے تھے وہاں سے انہیں انتخابی بورڈ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ بہرحال ۱۹۴۴ء میں جو گروپ براہ راست انتخاب کے لیے بھیجا گیا اس میں چھ لڑکے شامل تھے حق نواز کیانی۔ محمد اسلم، غلام محمد، اجیت اور محمد سرور، چھٹے لڑکے کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ بہرحال سب

کے سب کامیاب ہوئے یہ تجربہ بھی کامیاب رہا۔ ان پر کمانڈانٹ نے بہت محنت کی تھی۔
اس لئے اس کا کریڈٹ انہی کو دینا چاہیئے۔

ہم نے سنا تھا کہ میجر جنرل غلام محمد، حق نواز کیانی شہید کے خاص ساتھیوں میں سے ہیں۔ حق نواز کے بعد کالج کے ہیڈ بوائے بھی یہی بنے تھے۔ چنانچہ ہم نے انہیں بھی انٹرویو کی زحمت دی۔ ان سے گفتگو ہوئی۔

سوال :۔ پہلے تو وہ عام سوال کہ آپ حق نواز کیانی کو کب سے اور کیسے جانتے ہیں؟ ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دیجئے۔

جواب :۔ میرا کالج نمبر ۸۸۵ ہے۔ جب ۴ اگست ۱۹۴۰ء کو میں کالج میں داخلے کے لئے آیا تو تانگے سے اترتے ہی کالج کے جس لڑکے پر میری نظر پڑی وہ حق نواز کیانی تھے بے حد سمارٹ، بے داغ وردی اور پُراعتماد، مجھ پر بہت رعب پڑا، میں نے دل میں کہا اگر کالج کا اسٹینڈرڈ یہ ہے تو کیا بات ہے۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ بحیثیت کاربول کے وہ نوواردوں کے استقبال پر مامور تھے اور کالج سنٹرل ہال (جو اب لائبریری ہے) کالج میں نئے داخل ہونے والوں کے جمع ہونے کی جگہ تھی، حق نواز کیانی مجھے وہاں لے گئے۔

سوال :۔ داخلے کے دن نئے لڑکے کن مرحلوں سے گزرتے تھے ذرا اس کی تفصیل بھی بیان فرمائیے۔

جواب :۔ کالج کے سینٹرل ہال میں جمع ہو جانے کے بعد تمام لڑکے اپنے والد یا کسی بڑے رشتہ دار کے ساتھ باری باری کمانڈانٹ سے ملاقات کے لئے ان کے دفتر جاتے تھے۔ مقصد اس انٹرویو کا یہ تھا کہ کمانڈانٹ میجر اسٹینگ لڑکے اور اس کے والد سے براہ راست واقفیت حاصل کرلیں

سوال :۔ کرنل اسٹینگ کے بارے میں کچھ بتائیے۔ ان کا طریقِ کار کیا تھا؟

جواب :۔ وہ اسپارٹا کے روایتی سخت ڈسپلن کے قائل تھے خود بھی سخت



کوش تھے اور جفاکش۔
سخت کوشی کو بہت اہمیت
دیتے تھے خود ان کا اپنا
ڈسپلن بھی معیاری تھا۔ ہر
معاملے میں پہلے وہ خود پھر
کوئی دوسرا ہوتا تھا۔
کالج کی بات بات
گوشہ گوشہ ان کی گرفت میں تھا۔ مشہور تھا کہ اسٹیبنگ کی اجازت یا کم از کم ان کے علم کے بغیر کالج میں پتہ بھی نہیں ہل سکتا اور واقعی نہیں ہلتا تھا وہ کسی جگہ کسی وقت پر آموجود ہوتے تھے۔ اس لئے سارا کالج ڈرتا رہتا تھا کہ اگر کسی کام میں سستی کی یا غلط کام کیا تو خیر نہیں۔

کرنل اسٹیبنگ ہر لڑکے اور اس کے خاندان کو جانتے تھے اور ہر لڑکے پر نظر رکھتے تھے اور اس کی صلاحیت کے مطابق اس کی تربیت کرتے تھے۔ ان کی تربیت کے چند بنیادی اصول سخت کوشی، دیانت داری اور جرأت اس معاملے میں وہ کسی رعایت کے قائل نہیں تھے۔ وہ خود اعلیٰ درجے کے قائد تھے اور انتھک، انہیں ایک ہی دھن تھی کہ لڑکوں کو اعلیٰ فوجی بنایا جائے۔ کبھی کبھی ان کی سختی ضرورت سے زیادہ بھی ہوتی تھی۔ جیسے رات کو مچھر دانی سے ہاتھ بھی باہر نکل آیا یا منہ ڈھک کر سو گئے تو سخت سزا ملتی لیکن ان کے خلوص میں بھی کلام نہیں تھا۔

سوال:۔ کچھ اسکول کے طریق کار کے بارے میں بھی بتایئے۔

جواب:۔ تعلیم وتربیت کا اہتمام جی سی اوز اور حوالدار انسٹرکٹر کرتے تھے۔ چند انگریز سارجنٹ انگریزی پڑھانے پر مقرر تھے۔ اس وقت چار ہاؤس تھے۔ ہاؤس کا

انتظام تو جونیئر پر یفیکیٹ چلاتے تھے چونکہ تمام لڑکوں کو اسٹینگ خود جانتے تھے اس لئے وہ ہونہار لڑکوں کو چھانٹ کر انہیں کمیشن کے لئے خصوصی تربیت دیتے تھے۔ عہدیداروں کو بہت سی مراعات حاصل تھیں۔

سوال:۔ مثلاً

جواب:۔ مثلاً یہ کہ وہ جونیئر لڑکوں کو سزا دے سکتے تھے اور جب کالج کو غالباً ۴۳-۱۹۴۲ء میں ایک بٹالین کے انداز پر منظم کیا گیا تو پلاٹون کمانڈر اور کمپنی کمانڈرز (سینئر پریفیکٹس کو کیڈٹ آفیسرز میس میں رہنے کی آسانی دی گئی مزید برآں انہیں جونیئر لڑکوں سے سیلوٹ لینے کا حق بھی دیا گیا تھا لیکن ان کی ذمہ داری بھی کم نہیں ہر وقت سختی آئی رہتی تھی۔

سوال:۔ کیوں؟

جواب:۔ کسی قصور پر جہاں قصوروار جونیئر کو سزا ملتی تھی وہاں اس کے سینئرز سے بھی بازپرس ہوتی تھی اور اکثر ان کی کھنچائی بھی ہوتی تھی۔

ہاؤسوں کے درمیان مقابلے بھی ہوتے رہتے تھے۔

سوال:۔ کس قسم کے؟

جواب:۔ پی ٹی ڈرل، باکسنگ اور شوٹنگ کے مقابلے عام ہوتے تھے۔ باکسنگ کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ اسکول کی باکسنگ ٹیم آل انڈیا بوائز باکسنگ کے مقابلوں میں حصہ لیتی تھی یہ مقابلے دہلی میں ہوتے تھے۔ اجمیر، جالندھر کے جی اسکولوں سے بھی اسپورٹس کے مقابلے ہوتے تھے۔

سوال:۔ شکریہ۔ آپ اب حق نواز کے کارناموں پر کچھ روشنی ڈالئے۔

جواب:۔ کالج میں داخلہ کے بعد خوش قسمتی سے مجھے حق نواز کیانی کی سیکشن ملی تھی۔

سوال :۔ کہاں اور کونسی سیکشن ؟

جواب :۔ رابرٹس ہاؤس اب (شیر شاہ ہاؤس) کی پہلی سیکشن (جو اَب کیانی ڈارم ہے)

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حق نواز ہی کوارٹر ماسٹر سٹور سے میری کِٹ اٹھوا کر اپنی سیکشن میں لائے تھے میں تو بالکل نیا تھا کسی بات کا کچھ پتہ نہ تھا۔ کیانی نے اپنے ہاتھوں سے میرے کپڑے تہہ کئے اور انہیں لاکر میں منظور شدہ ترتیب کے مطابق رکھ کر دکھایا۔ اس زمانے میں وردی پہننا اور کلاہ پر پگڑی باندھنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ میرے لئے یہ مشکل بھی حق نواز نے آسان کی لیکن یہ تصویر کا ایک رُخ تھا۔ جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا یہ شخص تو غصے کا بھی کم تیز نہیں اور بہت تند مزاج ہے۔ حق نواز بہت ذہین تھے پڑھائی میں کسی سے کم نہیں تھے لیکن ان کا اصل میدان کھیل کا میدان تھا۔ کھیلوں میں وہ بہت جان لڑاتے تھے اس لئے اکثر چھوٹی موٹی چوٹیں کھاتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان ایسی ہمت حوصلہ کا انسان میں نے نہیں دیکھا۔

سوال :۔ مثلاً

جواب :۔ سچ بولنے سے انہیں ہچکچانا نہیں آتا تھا چاہے ایسا کرنے کی کتنی سخت سزا ملے۔ غیرت اور خودداری ان میں انتہا درجے کی تھی۔

وہ منظر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ڈرل کرتے وقت ہمارے جمعدار ایجوٹینٹ نے سب کے سامنے حق نواز کے ایک ہلکا سا بید مارا تو حق نواز نے وہ بید پکڑ کر توڑ دیا۔ مزاج کی اسی تیزی کا نتیجہ تھا کہ وہ کالج سے دو ایک دفعہ بھاگے بھی جب واپس لائے گئے اور جو سخت سزا ملی وہ بھی انہوں نے ثابت قدمی سے برداشت کی غلطی کر کے گڑگڑانا یا سزا کے خوف سے جھوٹ بولنا حق نواز کی سرشت میں نہیں تھا۔

سیکشن کمانڈر بننے کے بعد کرنل اسٹیبنگ نے انہیں اپنے گھر جانے کی اجازت



حق نواز کیانی ملٹری کالج جہلم میں ہیڈ بوائے کی حیثیت سے

دے دی تھی۔ ایک دو سال بعد ان کا کمانڈانٹ کے بنگلے پر اچھا خاصا آنا جانا ہو گیا عام طور پر یہی مشہور تھا کہ حق نواز کے والد کی وفات کے بعد کرنل اسٹیبنگ نے انہیں بیٹا بنا لیا ہے۔ کالج میں جب کوئی نیا لباس شروع کیا جاتا تو حق نواز کو ماڈل بنایا جاتا تھا سب سے پہلے وہی لباس پہنتے یا ٹوپی یا جو چیز بھی ہوتی۔ جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ کالج میں ان دنوں باکسنگ پر بڑا زور تھا حق نواز کالج کی باکسنگ ٹیم کے کیپٹن تھے۔ کالج کے ہیڈ بوائے کی حیثیت سے حق نواز نے ایک نہیں کئی اہم پریڈوں کی قیادت کی اور انڈین آرمی کے کمانڈر انچیف تک سے اپنی مہارت کی داد لی۔ اس قسم کی رسمی پریڈیں بڑی پیچیدہ ہوتی ہیں ایک خاص ترتیب سے خاص خاص الفاظ دہرانے ہوتے ہیں جن کو یاد رکھنا آسان نہیں ہوتا لیکن حق نواز ایسے نازک موقعوں پر قطعاً نہیں گھبراتے تھے اور بڑے اعتماد سے ساری کاروائی انجام تک پہنچاتے تھے۔

۱۹۴۴ء کے اوائل میں حق نواز کمیشن کے لئے او۔ ٹی۔ ایس مہو چلے گئے انہوں نے آرمی اسپیشل پاس کیا تھا لیکن کمیشن کے لئے کرنل اسٹیبنگ نے ان کی خصوصی تربیت کی تھی جو رائیگاں نہیں گئی۔ حق نواز کے بعد کالج کے ہیڈ بوائے ہونے کا اعزاز میرے حصے میں آیا تھا۔

کیانی کی طالب علمانہ زندگی کا نقطۂ عروج

اب ہم حق نواز کیانی کے ایک استاد مسٹر فضل حق حیدری کا انٹرویو نقل کرتے ہیں حیدری صاحب ملٹری کالج کے معماروں اور محسنوں میں سے ہیں۔ ملٹری کالج کو آب ورنگ دینے میں حیدری صاحب کا بڑا حصہ ہے۔ کیانی شہید کے بارے میں ان سے ہماری یہ گفتگو ہوئی۔

سوال :۔ حیدری صاحب آپ کالج میں کب آئے تھے ؟

جواب :۔ ۱۹۴۲ء میں ۔

سوال :۔ اور کب تک اس ادارہ کو سیراب کیا ؟ بلکہ فیض یاب کیا ؟

جواب :۔ سیراب ، فیضیاب کرنا تو بڑی بات ہے بہرحال جو کچھ بن پڑا کیا ۔

سوال :۔ کب تک ؟

جواب :۔ ایک سال کے وقفہ سے ۱۹۷۰ء تک ۔

سوال :۔ حیدری صاحب کالج میں حق نواز کے بارے میں آپ کا اولین تاثر کیا ہے ؟

جواب :۔ جب میں آیا ہوں تو کالج نمبر ۴۲۷ محمد اقبال ہیڈ بوائے اور کالج نمبر ۸۳۵ حق نواز ایجوٹینٹ تھے ۔ کمانڈنٹ میجر سٹبنگ نے کالج کو ایک بٹالین کے طور پہ نیا نیا منظم کیا تھا ۔ حق نواز اس زمانے کے سمارٹ ترین طلباء میں تھے اور اپنی زوردار پرکشش شخصیت سے کالج پہ چھائے ہوئے تھے ۔ لیکن حق نواز کے اصل جوہر اگلے سال ۱۹۴۳ء میں کھلے جب انہوں نے کالج کے سینیئر کیڈٹ افسر یا کالج ہیڈ بوائے کا عہدہ سنبھالا

سوال :۔ حیدری صاحب اس زمانے کا کوئی ایسا اہم واقعہ آپ کے ذہن میں ہے جس سے حق نواز کیانی کی شخصیت کے کسی پہلو پہ خصوصی روشنی پڑتی ہو ۔

جواب :۔ ایک ایسا واقعہ ایسا ہے جب حق نواز نے کالج کی کمان سنبھالی اور پورے ایک دن ریویلی سے لے کر ری ٹریٹ تک کالج کو چلایا ۔

سوال :۔ براہ کرم اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے بیان فرمائیے ؟

جواب :۔ جنگی ضرورت سے یا اصولاً کمانڈنٹ میجر (بعد کو کرنل) اسٹبنگ (STEBBING) نے سینیئر کیڈٹس کو خاصی ذمہ داریاں سونپ رکھی تھی ۔

سوال :۔ صرف ذمہ داریاں ؟

جواب :۔ نہیں ذمہ داریوں کے ساتھ ان کے اختیارات بھی تھے لیکن ذمہ داریاں

اور اختیارات بے وجہ اور بے مقصد نہ تھے یوں کہئے کہ خالص پبلک اسکول روایت کے ساتھ اعلےٰ فوجی ٹریننگ کو یک جا کر دیا گیا تھا۔ ان ذمہ داریوں اور اختیارات کا مقصد سینیئر طلبا کی اس طرح تربیت کرنا تھا کہ ضرورت پڑے تو وہ فوری طور پہ افسری کا منصب سنبھال سکیں۔ ٹیٹنگ کی پالیسی سے بعض اساتذہ کو اختلاف بھی تھا ان کا خیال تھا کہ کیڈٹس کو ضرورت سے زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں بہرحال ان کو مطمئن کرنے کے لئے یا محض تجربے کی خاطر ٹیٹنگ نے ایک انوکھا تجربہ کیا۔

سوال:۔ بس اسی انوکھے تجربے کی تفصیل چاہیئے ؟

جواب:۔ ہوا یوں کہ ایک شام ٹیٹنگ نے سارے سٹاف کو دفتر میں بلایا اور کہا کل صبح ریلولی سے ری ٹریٹ تک آپ وہ کوئی کام نہ کریں جو بحیثیت اسٹاف کے آپ کرتے آئے ہیں بس یہ سمجھیں کہ جیسے آپ یہاں موجود ہی نہیں اور دیکھئے یہ بات راز رہے زبردست راز۔ اس کا کسی سے تذکرہ نہ کیجئے۔ یہاں تک کہ اپنے گھر میں اپنی بیویوں تک سے نہیں اور آپس میں بھی اس موضوع پہ کوئی گفتگو نہ کیجئے۔ یہ راز کل شام تک آپ پہ از خود کھل جائے گا۔ کرنل ٹیٹنگ نے آخر میں کہا کہ اس معاملے میں مجھے آپ سے تعاون کی توقع ہے اور اس کی تعمیل میں۔ میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔ یہ سن کر ہم سب لوگ باہر آ گئے۔ ایک دوسرے کی طرف حیرت سے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور چپ چاپ اپنے اپنے کوارٹروں کو چلے گئے۔ حکم عدولی کی صورت میں ایٹنگ کے جلال کا بھی ہمیں علم تھا۔ اس کیلئے بغیر کچھ تبصرہ کئے ہم دوسرے دن کا انتظار کرنے لگے جب ہمیں بحیثیت انسٹرکٹرز کے اپنے تمام فرائض سے عارضی طور پہ سبک دوش رہنا تھا۔

اتفاق سے دوسرے روز ڈیوٹی انسٹرکٹر میں ہی تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس زمانے میں ڈیوٹی انسٹرکٹر کی ڈیوٹی صبح سویرے دودھ کی جانچ پڑتال سے شروع ہوتی تھی لیکن

جب میں صبح سویرے وقت پہ ملک روم (جو کبھی کنٹین اور رابرٹس ہاؤس کے درمیان واقع تھا) نہیں پہنچا۔ تو ڈیوٹی کیڈٹ این سی او بھاگ کر بڈووڈ ہاؤس میں میرے کوارٹر پہ پہنچا اور دروازہ دھڑ دھڑانا شروع کر دیا۔ جیسے قیامت آگئی ہو۔ میں باہر نکلا تو کہنے لگا۔

"سر! جلدی کیجئے۔ آج آپ کی ڈیوٹی ہے اور دس منٹ اوپر ہو گئے ہیں اور آپ پہنچے ہی نہیں"۔ میں نے بے رخی سے کہا:

"کون سی ڈیوٹی؟ میری کوئی ڈیوٹی نہیں جاؤ بھاگ جاؤ۔ مجھے آرام کرنے دو"۔ وہ کیڈٹ بہت چکرایا اور بولا "سر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ڈیوٹی آپ ہی کی ہے اور ملک چیک کرنا ہے"۔

میں نے کہا "کہہ تو دیا۔ میری کوئی ڈیوٹی نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گا"۔ یہ کہہ کر میں نے دروازہ بند کر دیا اور اندر چلا گیا۔ ڈیوٹی کیڈٹ حیران و پریشان کچھ دیر دروازے پر کھڑا رہا پھر ہیڈ بوائے کیانی کے پاس گیا کہ سر تو یہ کہہ رہے ہیں۔ نہ جانے انہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیانی میرے پاس آئے۔ پھر وہی مکالمہ ہوا جو میں بیان کر چکا ہوں۔ اس پہ میں نے اتنا مزید اضافہ کیا کہ تصور کر دکہ میں یہاں نہیں ہوں۔ پھر جو مناسب ہو وہ کرو۔ یہ سن کر کیانی اور ڈیوٹی کیڈٹ دوسرے نمبر پہ ڈیوٹی انسٹرکٹر کے پاس گئے۔

سوال:۔ وہ کون صاحب تھے؟

جواب:۔ بشارت حسین بخاری، جو میری طرح سویلین انسٹرکٹر تھے جو بعد کو نیوی میں چلے گئے تھے۔

سوال:۔ بخاری صاحب نے کیا کہا؟

جواب:۔ بخاری نے بھی کم و بیش وہی جواب دیا جو میں دے چکا تھا۔

سوال:۔ پھر کیا ہوا ؟

جواب:۔ پھر دونوں چیف انسٹرکٹر کے پاس گئے۔

سوال:۔ چیف انسٹرکٹر کون تھا ؟

جواب:۔ کیپٹن لیوتس۔ انہوں نے وہی جواب دیا جو ہم دے چکے تھے۔ یہی ڈرامہ کمانڈنٹ کے بنگلے پر بھی ہوا۔ جب کمانڈنٹ نے بھی کہا کہ آج مجھ سے کچھ نہ پوچھو تو کیانی سمجھ گئے آج میرا امتحان لیا جا رہا ہے اور اسٹاف کے اراکین جان بوجھ کر مجھے آزمائش میں ڈال رہے ہیں۔ آدمی تو ہوشیار تھا۔ اس نے فوراً اپنے کمپنی کمانڈروں کو بلایا اور صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ آج کالج ہمیں چلانا ہے اور چیلنج کو قبول کرنا ہے سب نے ہپ ہپ ہرّہ کا نعرہ لگایا۔ کام شروع کر دیا۔ کیانی نے ٹائم ٹیبل منگوایا سنیئر لڑکوں میں کلاسیں تقسیم کیں۔ چیف انسٹرکٹر۔ ایجوٹینٹ، کوارٹر ماسٹر۔ ٹریننگ آفیسر سب عہدیدار لڑکوں میں سے مقرر کر دیئے گئے اور خود کیانی نے کمانڈنٹ کی کرسی سنبھالی۔

سوال:۔ اس کارروائی میں کچھ دیر تو لگی ہو گی ؟

جواب:۔ صرف دودھ کی چیکنگ میں اس بھاگ دوڑ کی وجہ سے کم وبیش آدھ گھنٹے کی دیر ہوئی۔ اس کے بعد کالج کا سارا کام روٹین کے مطابق چلتا رہا۔ صبح کی پی ٹی کلاسیں کھیلیں۔ حتےٰ کہ "دوپہر آرام" جو لنچ کے بعد ایک گھنٹہ کے لئے لازمی ہوا کرتا تھا۔ اس میں آرام کم اور ایک دوسرے کو بے آرام کرنا زیادہ نمایاں ہوتا تھا۔ لیکن آج کا "دوپہر آرام" دیگر معمولات کی طرح صحیح معنوں میں خود اختیاری ڈسپلن کا قابل تحسین نمونہ تھا۔ کچھ مسائل بھی پیدا ہوئے لیکن کیانی اور اس کے رفقاء کار نے انہیں سٹاف سے رجوع کئے بغیر خود ہی نہایت خوش اسلوبی سے حل کر لیا۔

سوال:۔ آپ لوگ گھروں میں رہے یا کالج آئے ؟

جواب:۔ ٹیبنگ صاحب تو دن بھر کہیں نظر نہیں آئے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے بنگلے

کے کسی گوشے سے یا انہیں ہلی کم جیسے کہ وہ اکثر کیا کرتے تھے، یہ سارا ڈرامہ بچشم خود دیکھ رہے ہوں گے۔ ہم لوگ سٹاف روم میں بیٹھے اخبار وغیرہ پڑھتے رہے یا کیڈٹ انسٹرکٹر کو کلاسوں میں آتے جاتے دیکھتے رہے۔ زیادہ تر موضوع زیر بحث کمانڈنٹ میجر ٹیبنگ کا یہی تجربہ تھا۔

سوال:۔ پھر یہ تجربہ کیسا رہا؟

جواب:۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے اس دن کے سب سے اہم واقعہ کے بارے میں کچھ بتاتا چلوں۔

سوال:۔ وہ کیا؟

جواب:۔ وہ یہ ہے کہ چائے کے وقفے سے پہلے جہلم سے ایک بریگیڈیئر کمانڈنٹ سے ملنے آئے۔ دفتر میں قدم رکھا تو دیکھا ایک سمارٹ سا لڑکا کرسی پہ بیٹھا ہے اور اپنے کیڈٹ ایجوٹینٹ کو کچھ احکامات دے رہا ہے۔ بہت حیران ہوئے کہ قصہ کیا ہے۔ کہنے لگے میں کمانڈنٹ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیانی نے بڑے اعتماد سے کہا میں حاضر ہوں۔ انہوں نے پھر کہا میرا مطلب میجر ٹیبنگ سے ہے۔ کیانی نے فوراً کہا۔ آج کمانڈنٹ تو میں ہی ہوں لیکن اگر آپ کو میجر ٹیبنگ سے ذاتی ملاقات کرنی ہے تو باہر جی ٹی روڈ پہ ان کے بنگلے پہ آپ ان سے مل سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر کیانی نے گھنٹی بجائی۔ گھنٹی بجتے ہی کمانڈنٹ کے دفتر کا اردلی تاج نمودار ہوا تو کیانی نے کہا صاحب کو میجر ٹیبنگ صاحب کے بنگلہ پہ پہنچاؤ۔ چنانچہ بریگیڈیئر صاحب اسی حیرانی کے عالم میں چلے گئے۔

سوال:۔ کیا بریگیڈیئر صاحب کا آنا بھی ٹیبنگ کے اشارے پہ تھا؟

جواب:۔ ہو سکتا ہے لیکن بریگیڈیئر کو یقیناً اس صورت حال کا علم نہیں تھا ورنہ انہیں

اتنی حیرانی نہ ہوتی جو انہیں ہوئی۔

سوال:- اس روز دفتری کارروائی کس طرح ہوئی؟

جواب:- کالج کے ہیڈ کلرک نے جو اس زمانے میں سپرنٹنڈنٹ کہلاتا تھا۔ فائل وغیرہ کیانی کو پیش کئے۔ کیانی نے ان پہ "کل پیش کرو" کا فقرہ لکھ کر فائلوں کو واپس کر دیا

سوال:- اس صورت حال پہ عام کیڈٹوں کا کیا ردعمل تھا؟

جواب:- ہر طرف جوش و خروش تھا۔ لڑکوں نے اپنے کیڈٹ انسٹرکٹروں سے بڑا تعاون کیا اور خوب لطف اندوز بھی ہوئے۔

سوال:- اس ڈرامے کا انجام؟

جواب:- انجام بہت کامیاب رہا۔ ری ٹریٹ کے فوراً بعد اصلی کمانڈنٹ میجر اسٹینگ کا سرکلر آگیا کہ سارے لڑکے اور سٹاف کالج ہال میں جمع ہوں۔ اسٹینگ جب ہال میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ وہ بریگیڈیر بھی تھے۔

سٹینگ نے سب لڑکوں خاص طور پہ کیڈٹ آفیسرز کی کارکردگی کی تعریف کی اور دل کھول کر تعریف کی۔ ہر ہر فقرے پہ زوردار تالیاں بجتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ سٹینگ کے بعد بریگیڈیر صاحب نے بھی لڑکوں کو مبارکباد دی اور اپنی حیرت و مسرت کا اظہار کیا اور کہا میرا بس چلے تو میں آج ہی سب کیڈٹ آفیسرز کو کمیشن دے دوں

سوال:- اس ڈرامے پر حق نواز کیانی کا ردعمل کیا تھا؟

جواب:- اس ڈرامے کا ہیرو تو کیانی ہی تھے یہ دن کیانی کی طالب علمانہ زندگی کا نقطۂ عروج تھا۔

سوال:- حیدری صاحب۔ آخر میں ایک سوال اور۔

جواب:- وہ کیا؟

سوال:- وہ زمانہ سخت ترین ڈسپلن کا تھا اور سٹینگ کسی کی رعایت نہ کرتے تھے کیا کیانی ڈسپلن کی گرفت میں کبھی آئے؟

جواب:۔ کیانی کوئی فرشتہ تو نہیں تھے غلطیوں پر انہیں سزا بھی ملی۔ ایک بار تو ٹیٹنگ سے انہوں نے خاصے بید کھائے لیکن بید کھانے میں بھی کیانی کی اپنی شان تھی جس بے باکی سے غلطی کرتے تھے اسی حوصلے سے اس کی سزا لیتے تھے۔

برسبیل تذکرہ شاید آپ جانتے ہوں کہ کیانی کو کرنل ٹیٹنگ کے گھر کی چاردیواری میں وہی مقام حاصل تھا جو ایک بیٹے کا ہوتا ہے اور مسز ٹیٹنگ تو بڑے فخر اور پیار سے اس کا ذکر " My Son " میرا بیٹا کہہ کر کیا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۸ء میں جب مجھے انگلستان میں کرنل اور مسز ٹیٹنگ کی مہمانداری سے محظوظ ہونے کا موقع ملا تو موضوع گفتگو بار بار کیانی کی کہانی رہا۔

کیانی پر کوئی ادارہ بھی فخر کر سکتا ہے۔ ایسے نڈر اور جانباز ہر روز پیدا نہیں ہوتے۔ ؏ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

حق نواز او۔ ٹی۔ ایس مہو میں

مہو میں حق نواز کیانی کے ساتھی میجر محمد سرفراز خان لکھتے ہیں:۔

او۔ ٹی۔ ایس یعنی آفیسرز ٹریننگ اسکول سینٹرل انڈیا مہو کے مقام پر واقع تھا۔ ہم اوائل ۱۹۴۴ء میں وہاں پہنچے۔ اسکول میں بھانت بھانت کے لوگ موجود تھے۔ جنگ کا زمانہ تھا کیڈٹس کا ہجوم تھا۔ ملٹری کالج جہلم سے گئے ہوئے ہم پانچ خاص طور سے کم عمر اور کم تعلیم تھے۔

میں اور کیانی ایک ہی کمرے میں تھے۔ او۔ ٹی۔ ایس پہنچ کر بھی کیانی کی شرارتیں وہی رہیں۔ آئے دن کسی نہ کسی سے کیانی الجھ بھی پڑتے تھے۔ کیڈٹس کے طلب گاروں کو جتنا ڈر ڈر کے رہنا چاہیئے اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔ کیانی کے وہی جارحانہ تیور تھے جو پہلے تھے نتیجہ ظاہر ہے کہ آئے دن پیشی ہوتی رہتی تھی اور کوئی نہ کوئی مقدمہ کھڑا ہو جاتا۔ وہ تو اللہ بھلا کرے ہمارے حد درجہ مہربان اور شفیق پلاٹون کمانڈر کیپٹن اے بی اعوان کا (اب لیفٹیننٹ

جنرل اے بی اعوان) کہ وہ ہمیشہ ہمارے آڑے آجاتے تھے اور ہمیں مصیبتوں اور سخت تادیبی کارروائیوں سے بچاتے رہتے تھے ورنہ ہمارا کورس کے درمیان پھنس کے رہ جانا کوئی مشکل نہ تھا۔ پھر کمیشن کا خواب دھرا رہ جاتا۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ خدانخواستہ کیانی کا ڈسپلن خراب تھا یا کوئی اخلاقی خرابی تھی۔ جو طوفان اٹھتا تھا وہ کیانی کی شخصیت و کردار کی وجہ سے اٹھتا تھا اور اکثر و بیشتر کیانی حق پہ ہوتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ٹریننگ اسکول کے ضابطوں کے مطابق کیانی غلطی پہ گردانے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک مثال دوں گا۔

کیانی ملٹری کالج میں بھی نماز پڑھتے تھے لیکن یہاں انہوں نے رمضان کے روزے رکھنے میں غیر معمولی سرگرمی دکھائی۔ خود روزے رکھتے ہی تھے دوسرے مسلمان لڑکوں کو تلقین کرتے تھے کہ وہ بھی ضرور رکھیں۔ اب شامتِ اعمال ایک مسلمان بنگالی کیڈٹ جو مذہب سے نابلد بلکہ باغی تھا۔ رمضان کے دنوں میں شام کو ہمارے کمرے میں آیا اس کے ہاتھ میں سلگا ہوا سگریٹ تھا۔ اور کھلے بندوں سگریٹ پی رہا تھا۔ کیانی نماز پڑھ رہے تھے جب سلام پھیرا تو یہ نظارہ دیکھا۔ ایک دم سرخ ہو گئے پھر بھی ضبط کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ پوچھنے کا لب و لہجہ طنزیہ تھا۔ (چونکہ اس بنگالی کیڈٹ کا نام ایک مشہور مسلمان فاتح اور جرنیل کے نام پہ تھا جو صلیبی جنگوں کا ہیرو ہے) کیانی کا خیال تھا کہ شاید اتنے بڑے مسلمان جرنیل کا ہم نام ہونے کے ناطے اس کو کچھ شرم آئے گی۔ لیکن شرم ہو تو آئے وہ اسلامی قدروں اور روایتوں سے بیگانہ تھا۔ وہ بھی ان کے نام پوچھنے کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے بھی بڑے چبھتے ہوئے انداز میں اپنے نام کے ہر حرف پر زور دیتے ہوئے اسے دہرایا اور ساتھ ہی اسلام کے اس عظیم فرزند کی شان میں کچھ بدزبانی بھی کی۔ اب کیانی کو تاب کہاں، کہنے لگے، تجھے اس گستاخی کا ابھی مزہ چکھاتا ہوں۔ کچھ اور تو نہ ملا سامنے ایک پل تھرو پڑا دیکھ لیا

لوہے کا چھ سات انچ کا اوزار) اسے اٹھایا اور اس گستاخ پر جھپٹے وہ ڈر کے بھاگا اب عجیب تماشا ہوا تمام بیرک میں وہ بدزبان آگے آگے اور کیانی پیچھے پیچھے چونکہ اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ اس لئے بھاگا بھی اتنا تیز۔ کہ زندگی بھر نہ بھاگا ہوگا ییں بھی بھاگ رہا تھا کہ کیانی کو روکوں کہ وہ کہیں اسے ضرورت سے زیادہ مزہ نہ چکھا دیں۔ کیانی اسلام کے بارے میں کوئی نازیبا بات برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔ آخر کار وہ بدتمیز۔ بدحال ہو کر پتھر کی طرح دھڑام سے ہمارے کمپنی سارجنٹ میجر جنجن کے سامنے گر پڑا۔ اس کا بھی ایک مقدمہ ہوا۔

قصہ مختصر او۔ ٹی۔ ایس میں بھی کیانی کا آؤٹ ڈور ریکارڈ بہت بہتر تھا اور انہوں نے اپنی انفرادیت برقرار رکھی تھی۔

کمیشن اور اس کے بعد کی باتیں

۱۰ اور ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء کی درمیانی شب کو نصف شب کے کچھ دیر بعد ہمارے کریم اور شفیق کیپٹن اے بی اعوان نے ہمارے کندھوں پر سیکنڈ لفٹینی کا ایک ایک پپ (پھول) سجا دیا ہم نے خلوص دل سے بے حد اسمارٹ سلوٹ مارا۔ اور اسی وقت ان کو خدا حافظ کہہ کر اپنے پیارے گاؤں ملوٹ روانہ ہو گئے ہم بے چین تھے کہ وردی میں گاؤں جائیں اور دکھائیں کہ ہم نے کیا تیر مارا ہے۔

حق نواز کیانی کو اپنے والد کی رجمنٹ راجپوتانہ رائفلز میں کمیشن ملا تھا۔ چنانچہ وہ ۶/۲ راجپوتانہ پلٹن میں چلے گئے اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر فرائض منصبی انجام دیئے پاکستان بننے کے بعد وہ بلوچ رجمنٹ سے منسلک ہو گئے۔

شادی ۱۹۴۸ء کے اوائل میں حق نواز کی شادی ہوئی اس زمانے میں کشمیر میں لڑائی شروع تھی۔ شادی کے تیسرے دن انہیں کشمیر جانے کا حکم ملا۔

سنہ ۱۹۴۸ء کے کشمیر آپریشن میں حق نواز کا حصہ

لیفٹیننٹ حق نواز نے جہاد کشمیر میں جو حصہ لیا اس کی روداد ان کے پرانے ساتھی میجر محمد سرور

خان کے الفاظ میں سنئے۔

اے۔ ٹی۔ ایس مہو کے بعد میری کیانی سے ملاقات مئی ۱۹۴۸ء میں کشمیر کے علاقے چکوٹھی میں ہوئی۔ کشمیر آپریشن جاری تھا میں اس وقت مشہور و معروف بریگیڈیر طارق بعد کو میجر جنرل محمد اکبر خان ڈی ایس او کا جونیئر اسٹاف افسر تھا۔ محاذ کی صورت حال یہ تھی کہ ہندوستانیوں نے اپنا گرما کی جارحانہ حملہ شروع کر رکھا تھا۔ بے ضابطہ فوجی اور قبائلی اس کی تاب نہ لاتے ہوئے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اب کمانڈر پر بڑا دباؤ تھا کہ وہ اپنی دفاعی پوزیشن کو از سر نو منظم کریں اس لئے انہوں نے بلوچ رجمنٹ کی ایک بٹالین کو حکم دیا کہ وہ ایبٹ آباد سے آکر آگے مورچے سنبھال لیں۔ میرے سپرد یہ کام تھا کہ میں اس پلٹن سے ٹرانسپورٹ لے کر قبائلیوں کو ان میں واپس بھجواؤں۔ اس پلٹن کے ساتھ کیانی کشمیر آئے تھے۔ یہ میری ان سے ایک عرصے کے بعد پہلی ملاقات تھی۔ ان کے دل و دماغ میں ایک طوفان بپا تھا وہ بڑے جوش میں تھے۔ ہزار منصوبے ان کے ذہن میں تھے۔ وہ ملک کے لئے اور کشمیر کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار تھے، واقعی تیار تھے۔

چند ماہ بعد ان کی بلوچ پلٹن نے بڑی مشہور پہاڑی جگہ پانڈو پر حملہ کیا کیانی اس پلٹن کے انٹیلی جنس افسر تھے اور پلٹن کے کمانڈنگ افسر لیفٹیننٹ کرنل شیر بہادر تھے (جو بعد کو میجر جنرل ہو کر پاک آرمی کے سی جی ایس ہوئے) اس مہم میں کیانی نے بڑی جرأت اور ہمت کا مظاہرہ کیا (اپنی پھرتی، خفیہ چلت پھرت میں تیزی کی بنا پر انہیں اس آپریشن میں پہاڑی کبوتر کہا جانے لگا)

کشمیر آپریشن کے بعد کے عرصے میں حق نواز کیانی کیپٹن ہو کر ۱۹۵۰ء میں پاکستان ملٹری اکیڈمی کی خالد کمپنی میں پلاٹون کمانڈر رہے۔ اس کے بعد اپنی پلٹن کے ساتھ مختلف مقامات پر تعینات رہے۔

۵۷-۱۹۵۶ء میں کوہاٹ میں ان کی تعیناتی

کوہاٹ کی تعیناتی حق نواز کے ذہنی سفر کی روئداد میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے اب تک ان کے اندر جو مذہبی عصبیت تھی وہ دل کے کسی نہاں خانے میں تھی باہر سے وہ ایک عام دنیادار قسم کے افسر تھے۔ زندگی کی نیرنگیوں میں کھڑے ہوئے خوش لباس۔ خوش طبع سطحی راحتوں اور لذتوں کے دلدادہ کوہاٹ آکر انہیں ایک بزرگ سے عقیدت ہو گئی اس عقیدت نے ان کی کایا پلٹ دی صوفیا کے طریقے پر ورد کرنے لگے۔ اللہ ہو کا وظیفہ ان کا معمول بن گیا اور باہر سے بالکل بدل گئے اور آئندہ سالوں میں یہ تصوف اور درویشی کا رنگ چڑھتا ہی گیا۔

لیکن ان کا تصوف خانقاہی نہیں میدان کارزار کا تصوف تھا جس کی وجہ سے اپنے پیشے سے ان کی لگن دوچند ہو گئی تھی۔ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ہندوستان سے ایک محاذ آرائی کی صورت پیدا ہو گئی اور اس محاذ آرائی میں میجر حق نواز کیانی پیش پیش تھے بلکہ اس دوران میں انہوں نے گولیوں کے سائے میں اپنی پوری کمپنی کے ساتھ نماز پڑھ کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی۔

اس ٹکراؤ اور کارنامے کی روئداد میجر محمد سرور خان سناتے ہیں۔

۶۱-۱۹۶۰ء کا معرکہ

۶۱-۱۹۶۰ میں انڈیا سے سیالکوٹ جموں سرحد پر ایک محاذ آرائی کی صورت پیدا ہو گئی۔ کم و بیش ایک ایکڑ بنجر زمین پر جھگڑا تھا۔ ہندوستان کا دعوےٰ تھا کہ یہ ٹکڑا اس کے علاقے میں شامل ہے۔ اسی تنازعہ پر دونوں طرف سے فوجیں آمنے سامنے جمع ہو گئیں اور بہت کشیدگی پیدا ہو گئی کسی وقت بھی تصادم شروع ہو سکتا تھا۔ اس متنازعہ علاقے سے بالکل متصل بریگیڈیئر شاہ نواز کے انفنٹری بریگیڈ مورچہ سنبھالے ہوئے

تھے۔کیانی کی پلٹن ایبٹ آباد سے آکر اس بریگیڈ سے ملی۔ میں ایک ٹینک شکن معاون بٹالین کے ساتھ تھا جو اسی بریگیڈ کے زیر کمان کر دی گئی تھی۔

جوں ہی مجھے اس محاذ آرائی میں کیانی کے موجود ہونے کی اطلاع ملی، میں ان سے ملنے ان کی پلٹن کے ہیڈ کوارٹر میں گیا وہاں جا کر مجھے پتہ چلا کہ کیانی کی کمپنی تو اسی متنازعہ ٹکڑے کے ٹھیک اندر مورچے سنبھالے ہوئے ہے چنانچہ میں پھر وہاں گیا میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کیانی اس ٹکڑے کے بالکل آخری کنارے پر دشمن دستوں کے عین سامنے بڑے مزے سے ٹہل رہے ہیں یہ ٹکڑا ہر وقت دشمن کے فائر کی زد میں رہتا تھا۔ دشمن کی پالیسی یہ تھی کہ وہ اس ٹکڑے پر ہلکے خود کار ہتھیاروں سے تقریباً ہر وقت فائر کرتا رہتا تھا ان کی کمپنی نے اسی متواتر فائر کے دوران ہی بڑی پھرتی سے اور دلیری سے اپنے مورچے بنائے تھے جب میں گیا تو وہ دشمن کے او پی کی گھات میں تھے کہ کس طرح اس کو گرایا جائے۔ دشمن کا او پی ایک بہت اونچے اور گھنے درخت کے اندر ریت کے بوروں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ یہ بڑی محفوظ جگہ تھی۔ او پی درخت کے تنے کی اوٹ سے ایک رسے کی سیڑھی کے سہارے چڑھتا اترتا تھا۔ کیانی کئی گھنٹوں سے اس او پی کی تاک میں تھے کہ کس طرح اس کو نشانہ بنائیں چونکہ اس کے فائر سے بہت تنگ تھے۔

دشمن کے عین سامنے نماز

یہاں ایک ایسے واقعہ کا بیان ضروری ہے جس سے اس عظیم آدمی کے کردار اور مزاج پر کافی روشنی پڑتی ہے اس محاذ آرائی کے سلسلے میں جمعہ آ گیا۔ کیانی نے جمعے کی نماز کے لئے ساری کمپنی کو اکٹھا کیا اور دشمن کی نگاہوں کے عین سامنے ساری کمپنی نے جمعے کی نماز ادا کی۔ ششدر اور حیران دشمن نماز کے دوران ایک راؤنڈ

بھی فائر نہ کر سکا۔ بہر حال اتنا بڑا خطرہ کیانی ایسے پختہ ایمان اور جرأت کا انسان ہی لے سکتا تھا۔

۶۱-۱۹۶۰ء کی اس محاذ آرائی کے دوران میں نے محسوس کیا کہ وہ کشمیر کے بارے میں بہت سنجیدہ ہیں۔ ان پر ایک جنون کی سی کیفیت طاری تھی، ایک ہی دھن، ایک ہی بات، ایک ہی مسئلہ کہ کس طرح کشمیر کو آزاد کرایا جائے۔ اس بارے میں ان کے خیالات بہت دو ٹوک اور بے لاگ تھے وہ بڑی شدت سے کہتے تھے کہ ہندو نے مقبوضہ کشمیر کا علاقہ طاقت کے استعمال سے لیا ہے۔ طاقت ہی سے اسے واپس لیا جا سکتا ہے۔

۶۱-۱۹۶۰ء کے واقعہ کے بعد میجر کیانی کورس کے لئے اسٹاف کالج کوئٹہ گئے اس کے بعد کیانی کی زندگی کا اہم موڑ ۱۹۶۵ء رہے۔ ستمبر ۶۵ء جنگ میں میجر حق نواز کیانی ۹-اے کے رجمنٹ کے ساتھ اس کے لڑاکا ونگ کی کمان کر رہے تھے۔ کشمیر اور اسلام کی محبت اور اس کی خاطر کچھ کرنے اور جان دے دینے کی جو بھی خواہش ان کے دل میں مدتوں سے مچل رہی تھی اب اس کے اظہار کا وقت آ گیا تھا۔

۶۵ء کے جہاد کشمیر کے وقت پاکستان نے بڑے بڑے ہیرو پیدا کئے ان میں ایک تابندہ نام حق نواز کیانی کا ہے اس جہاد میں حق نواز کے ذمے یہ فرض تھا کہ دشمن کو اس کے علاقے میں گہرے زخم لگائیں۔ اس کام میں جو صرف جان جوکھوں کا کام ہی نہ تھا بلکہ فراست اور جنگی چالوں میں مہارت کا تقاضا بھی کرتا تھا۔ حق نواز نے وہ حیرت انگیز کامیابی حاصل کی جس کی تفصیل ایک افسانہ معلوم ہوتی ہے حقیقت کی انتہا بھی بقول ایک مفکر کے یہی ہے کہ وہ افسانہ بن جائے۔

ان کشمیری معرکوں میں حق نواز کیانی کے دست راست میجر اب لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) قاضی محمد جان ستارۂ جرأت تھے۔ انہوں نے بیشتر مہموں میں ان کے دوش بدوش حصہ

لیا اور ان کے جوشِ ایمانی کے مظاہروں کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ اس محاذ پر حق نواز کیانی نے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے ان کا جائزہ ان سے بہتر کون لے سکتا ہے۔ حق نواز کے بعد وہ اس عسکری ڈرامے کے دوسرے اہم کردار تھے۔ اس لئے ہم نے ان سے خط و کتابت کی۔ ہماری خواہش تھی کہ ہم ان سے براہ راست انٹرویو کرتے۔ ایسا کرنا تو ممکن نہ ہوا۔ بہرحال ہمارے سوالات کے جواب میں قاضی صاحب نے جو لکھ کے بھیجا وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس میں اس کارنامے کی تفصیلات آگئی ہیں جس کے سرانجام دینے پر حق نواز کیانی اور انہیں ستارہ جرأت کا اعزاز عطا ہوا۔

۱۹۶۵ء کے معرکوں کی داستان

از لیفٹیننٹ کرنل قاضی محمد جان ستارۂ جرأت

میں لیفٹیننٹ کرنل قاضی محمد جان ستارہ جرأت، کرنل حق نواز کیانی کا ہم راز ہوں اور میں تمام معرکوں میں جو کرنل کیانی شہید نے دشمن کے خلاف لڑے شامل رہا ہوں اس لئے میں سچائی پر مبنی آنکھوں دیکھا حال کرنل کیانی شہید کا آپ کے لئے اور قوم کی راہنمائی کے لئے لکھ رہا ہوں۔

کرنل کیانی شہید کی عین گھمسان کی لڑائیوں میں کیفیت

کرنل حق نواز کیانی شہید ایک درویش قسم کے انسان تھے جو اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے بعد عام طور پر یاد خدا میں وقت گزارتے تھے۔ ہمیشہ حق کا بول بالا کرنے کو وہ افضلیت کا درجہ دیتے تھے۔ مومن کے تمام اوصاف ان میں موجود تھے اور پاکستان کے

سچے خیر خواہ تھے۔

ہندوستان کی فوج کے ساتھ جتنے معرکوں کی انہوں نے قیادت کی ہیں ان کے ساتھ تھا، وہ جذبہ جہاد میں ہمیشہ سرشار اور جام شہادت نوش کرنے کے مشتاق رہتے تھے۔ بالآخر انہیں اللہ تعالےٰ نے رتبہ شہادت نصیب فرمایا اور حقیقی معنوں میں میرا ایمان ہے کہ ان کی ۵ رمئی ۱۹۷۲ء کو دیرینہ آرزو اللہ تعالےٰ نے پوری کر دی۔

وہ جنگ کے دوران اور خاص طور پہ ہر معرکے میں ہمیشہ باوضو رہتے تھے اپنے ماتحت کو حکماً وضو میں رہنے کی تلقین کرتے ساتھ "یا بدوح" کا ورد ہر لمحہ اور عین جنگ میں جاری رکھنے کی سختی سے تلقین کرتے تھے وہ خود اور سب ماتحت دو نفل ادا کر لینے کے بعد میدان جنگ کی طرف روانہ ہوتے اور پھر معرکے میں فتح یابی کے بعد دو نفل سب عملے کے ساتھ بطور تشکرانہ ادا کرتے تھے۔ معرکے میں شہید کا جنازہ ادا کرتے اور پھر وہ گڑگڑا کر روتے تھے اور حسرت سے یہ کلمے منہ سے ادا کرتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے پسندیدہ (یعنی شہیدوں) کو چن لیا ہے اور اپنے پاس بلا لیا ہے۔ میں بدنصیب ہوں جس کو خدا نے پسند نہیں فرمایا۔ پھر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالےٰ پہ یقین ہے کہ کبھی میری بھی سنے گا۔ میری خطائیں معاف فرمائے گا اور اپنی مہربانی سے مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے گا۔ میں اس کے رحم و کرم کا امیدوار ہوں۔

یہ مختصر تحریر بالکل ان کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات پر مشتمل ہے۔

کرنل حق نواز کیانی شہید نے ۱۹۶۵ء کی بھارت پاکستان جنگ میں متعدد معرکوں میں بحیثیت کمانڈو کے حصہ لیا اور ان کے کارنامے کتاب کی شکل میں کئی جلدوں میں منضبط

ہو سکتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ حق نواز کی تمام کارکردگیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے تاکہ آئندہ نسلیں ان سے سبق حاصل کریں اور ملک و ملت کے حق کو ادا کریں جس طرح حق نواز نے حق ادا کیا۔ میں صرف ان کے ایک معرکہ کو احاطہ تحریر میں لاتا ہوں۔

دشمن کی فوج جو کیانی کی قیادت میں لقمہ اجل بن گئی

ہندوستان کی فوج کی مشہور پلٹنوں میں سے ایک پلٹن جو ۸ کماؤں بٹالین کہلاتی تھی نہایت ہی اعلیٰ تربیت یافتہ تھی اور جس کے سی او کو یہ گھمنڈ تھا کہ پاکستان کی کوئی بھی پلٹن ۸ کماؤں پر فتح حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ پلٹن ہندوستان کے علاقے میں ناقابل شکست کے طور پر تھی۔ اس پلٹن کا سی او کرنل جی ایس بلیرا تھا اور حقیقی معنوں میں کرنل بلیرا نے اس پلٹن کی اعلیٰ تربیت کی ہوئی تھی۔

کرنل بلیرا کے الفاظ

کرنل بلیرا نے جو سی او ۸ کماؤں تھے، پلٹن کا دربار کیا اور پلٹن کو دوسری ہدایات دینے کے بعد پاکستان کے خلاف زہر اگل کر جوانوں کے حوصلے بلند کرنے کے لئے یہ کہا۔

بہادرو! پاکستان کی فوج (اپنے قیام والے ریسٹ ہاؤس کی طرف اشارہ کر کے) میرے اس بنگلے کے غسل خانہ کی مانند ہے اور بھارتی سینا اس بھاری بھرکم ریسٹ ہاؤس کی مانند۔ ہم اور خاص کر ۸ کماؤں پاکستانی فوج کو زندہ چبا کر رکھ دیں گے۔ اس پر پلٹن نے جے ہند کے نعرے لگائے۔ راقم الحروف بکریوں کے چرواہے کے لباس میں چند بکریوں اور بھیڑوں کے ساتھ دربار کے قریب کھیت میں سے تمام کارروائی سن رہا تھا۔ ساتھ ہی دشمن کی پلٹن کی تعداد افسر دیگر کئی ایک اہم چیزیں جو ہمیں اس پلٹن پر دھاوا

بولنے کے لئے درکار تھیں کرنل کیانی تک حرف بحرف پہنچا دی گئیں۔ کرنل حق نواز کیانی اس وقت میجر تھے اور ایک ایسے گروپ کے کمانڈر تھے جو تمام قسم کے اسلحہ سے لیس تھا. اور جس کا عملہ سپیشل سروس گروپ کے ٹرینڈ لوگوں پر مشتمل تھا۔ میجر حق نواز کیانی، کرنل بلیرا کے پاکستانی فوج کے متعلق ہتک آمیز کلمات سن کر آگ بگولہ ہوگئے اور دشمن سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ ابتدائی کارروائیاں مکمل کرنے کے بعد ایک شام کو معمول کے مطابق وضو اور نفل ادا کرنے کا حکم دیا اور دشمن کے علاقے کی طرف کوچ کر دیا۔ اس حملے کی تمام کارروائی راز میں رکھی گئی۔ صرف کمانڈر فرداً فرداً اپنی ریکی کر چکے تھے۔ تجویز کے مطابق کمانڈر اپنے اپنے حصے کے آگے مارچ کر رہا تھا قریباً رات کے ۱۲ بجے ایک مقام پر تمام نفری جمع ہوگئی جو دشمن کے علاقے میں پہنچنے والی تھی اور پھر کرنل حق نواز کیانی نے اپنی نفری پر حملہ کرنے کا راز افشا کیا۔ پوری تجویز خود انہوں نے تمام نفری پر واضح کی۔ پھر جہاد کی چند مثالیں دیں۔ اپنی نفری کو خود مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصے کو اس کا خاص کام اور اس کو پورا کرنے کا طریقہ وضاحت کے ساتھ بتایا۔

تجویز اس طرح تھی کہ رات کو دشمن یعنی ۸ کماؤں کی صفوں سے خاموشی سے گزر کر اس کے پیچھے ہیڈکوارٹر کے ایریا میں پہنچا جائے۔ صبح کے وقت جب دشمن ناشتہ کرے اور جوان اپنے اپنے لنگروں پر ناشتہ کے لئے جائیں تو اس وقت یک بارگی کے ساتھ بھرپور حملہ کرکے دشمن کو تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام مرحلے احسن طریقے سے طے ہوگئے صبح ہونے کو تھی۔ مرغ صبح کی خوشی میں اذان دینے لگے اور ۸ کماؤں کو موت کے پیغام پہنچانے لگے ۔ ۸ کماؤں نے ہندوؤں کے طریقہ کے مطابق پہلے غسل کیا اور پھر چائے

علاوہ پوری کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہی وقت کیانی کی فوج کے حملہ کا تھا لہٰذا ہر ایک گروپ نے اشارے پر اپنے مقصود پہ ہلہ بول دیا۔ اس اچانک حملے نے دشمن کے حواس باختہ اور حوصلے پست کر دیئے۔ کئی ایک جگہوں پہ مزاحمت بھی ہوئی اور دست بدست لڑائی بھی کرنا پڑی، ۱۲ منٹ میں دشمن کی پلٹن جو لگ بھگ ایک ہزار نفوس پہ مشتمل تھی جہنم رسید کر دی گئی۔

کرنل بلیرا کا انجام

کرنل حق نواز کیانی کو میں نے خود آفیسر میس کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا ان کے دونوں ہاتھوں میں دو پن نکلے ہوئے ایچ ای ۳۶ گرینیڈ تھے اور سوٹی بغل میں دبا رکھی تھی، وہ پھرتی سے دشمن کے مورچوں میں گرینیڈ پھینکتے ہوئے کرنل بلیرا کے کمرے میں داخل ہوئے۔ کرنل بلیرا کو کمرہ میں نہ پایا غسل خانہ کا دروازہ توڑا تو وہ اندر تولیہ جسم کے گرد لپیٹے ہوئے کھڑا تھا میں بھی کرنل کیانی کے پاس اس وقت پہنچ گیا تھا۔ کرنل کیانی نے کرنل بلیرا پر سوال کیا کہ پاکستانی فوج اس غسل خانے کے برابر ہے یا ہندوستانی فوج۔ آج ۸ کماؤں کہاں ہے؟ کرنل بلیرا خاموش شن پوزیشن میں کھڑا تھا۔

اس پہ کرنل کیانی نے کہا کہ نہ میں تم کو قید کر سکتا ہوں اور نہ چھوڑ ہی سکتا ہوں۔ اس کا حل صرف گولی ہے۔ اپنے ساتھ حوالدار عبدالرشید کو اشارہ کیا جس نے سٹین گن سے بوچھاڑ کر کے کرنل بلیرا کو ڈھیر کر دیا۔

اس کے بعد دشمن کی گاڑیوں، پٹرول۔ امنیشن اور راشن کے ڈپوؤں کو آگ لگا دی اور پل بھر میں تمام ساز و سامان کو خاکستر کر دیا۔

کرنل کیانی نے اپنے دستوں کو بتلائے ہوئے راستے پہ واپس اپنی جگہ پہ پہنچنے کا حکم دیا جو باحفاظت اور بغیر کسی مزاحمت کے اپنے علاقے میں پہنچ گئے اس پوری کارروائی میں ہمارے نوجوانوں نے جام شہادت نوش فرمایا ان میں ایک نائب صوبیدار محمد حسین جو برٹش

انڈین آرمی میں ایم۔ایم کا تمغہ حاصل کر چکے تھے، شہید ہوئے۔

کرنل کیانی نے کبھی اپنی جان کی پرواہ نہیں کی وہ ہمیشہ شہادت کے متلاشی تھے۔ پاکستان کے عاشق تھے وہ پاکستان اور اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جان کو حقیر سمجھتے تھے۔ اس معرکہ میں کرنل کیانی کے بعد میں سینیئر افسر تھا۔ لہٰذا کرنل کیانی کی بہادری کی تفصیل میں نے لکھ کر اعلےٰ کمانڈروں کو بھجوائی اور ان کو پہلی دفعہ ستارہ جرأت ستمبر ۱۹۶۵ء میں حکومت پاکستان نے عطا کیا اور جس طرح کرنل کیانی نے ایک پاکستانی کی حیثیت سے قوم کا حق ادا کیا اسی طرح قوم نے بھی ان کو بہادری کا اعزاز دے کر حق ادا کر دیا۔ میری دعا ہے اللہ تعالےٰ کرنل کیانی جیسے جانباز اور مخلص لیڈر پاکستانی فوج کو عطا کرے۔ آمین۔

۱۹۶۷ء میں کیانی صاحب کا بڑا لڑکا اصغر ملٹری کالج شیر شاہ ہاؤس میں پڑھ رہا تھا کرنل کیانی اصغر سے ملنے اکثر آیا کرتے تھے۔ ایک بار ہم نے ان سے درخواست کی کہ وہ طلبا کو اپنے ستارۂ جرأت کے معرکے کے بارے میں بتائیں چنانچہ شیر شاہ ہاؤس کے آڈیٹوریم میں انہوں نے یہ پورا واقعہ تفصیل سے سنایا۔ اس معرکے کی تفصیلات انہوں نے کم و بیش وہی بتائیں جو کرنل قاضی جان نے بیان کی ہیں۔ اس لئے یقین سے کہا جا سکتا ہے یہ واقعہ اسی طرح پیش آیا جس طرح قاضی صاحب نے بیان کیا ہے۔

۱۹۶۵ء کے معرکوں میں دو کشمیری مجاہد لڑکوں نے کیانی صاحب سے بہت تعاون کیا بلکہ بیشتر معرکوں میں وہ ان کے قدم بہ قدم ساتھ رہے اور کچھ اس طرح ان سے وابستہ ہوئے کہ ان کی شہادت تک امن اور جنگ میں ان کی خدمت میں حاضر رہے ان میں سے ایک کا انٹرویو درج کیا جاتا ہے۔

کشمیری مجاہد راج محمد کا انٹرویو

سوال :- آپ کا پورا نام کیا ہے۔

جواب :- راج محمد مجاہد۔

سوال :- یہ مجاہد کوئی گوت ہے یا ذات۔

جواب :- نہیں میں ۶۵ء میں مجاہدوں میں بھرتی ہوا تھا۔ کرنل حق نواز کیانی صاحب مجھے مجاہد ہی کہتے تھے۔

کرنل صاحب اس زمانے میں میجر تھے وہ کشمیر کی آزادی کی جد وجہد کر رہے تھے کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ انہیں کشمیری جانبازوں کی ضرورت پیش آئی جو کشمیری زبان جانتے ہوں اور علاقے سے خوب واقف ہوں۔ اتفاقاً ہماری ملاقات کیانی صاحب سے ہو گئی تھی۔ اس دن سے ہم دونوں کیانی صاحب کے قدموں میں رہے۔

سوال :- ہم سے کیا مراد ہے۔

جواب :- یعنی میں راج محمد اور امام دین ہم دونوں ہم عمر تھے اور ایک ہی جگہ رہتے تھے۔

سوال :- آپ کا آبائی وطن ؟

جواب :- بارہ مولا مقبوضہ کشمیر۔

سوال :- اب آپ کی عمر کیا ہو گی۔

جواب :- اپریل ۱۹۴۸ء کی پیدائش ہے اب کوئی اکتیس برس کے لگ بھگ ہو گی لیکن جب کیانی صاحب کے ساتھ جہاد شروع کیا ہم دونوں کا لڑکپن تھا چونکہ قد چھوٹا تھا اس لئے بالکل بچے نظر آتے تھے۔ اسی چیز نے ہمیں بار ہا بچایا۔

سوال :۔ مجاہد صاحب، آپ کیانی صاحب کے اس مشہور کارنامے میں شریک تھے جس کے بعد انہیں ستارۂ جرأت ملا۔

جواب :۔ جی بالکل شریک تھا۔ اس کے شروع سے آخر تک چونکہ میں صاحب کا خاص اعتمادی تھا اس لئے مجھے ہر ہر بات کی خبر ہے۔

سوال :۔ براہ کرم اس معرکے کی تفصیل سے آگاہ کیجئے۔

جواب :۔ کشمیر کا جہاد کوئی ایک معرکہ نہیں تھا بلکہ کیانی صاحب نے امیر حمزہ کی کہانیوں کی طرح بہت سے حیرت انگیز دلیری اور ہوشیاری کے کارنامے انجام دیئے۔ بے نظیر بھیس بدلتے تھے کبھی کشمیری بابا ہوتے تھے، کبھی کچھ کبھی کچھ اور چھلاوہ کی طرح کبھی یہاں کبھی وہاں دنیا حیران تھی کہ میجر حق نواز چیز کیا ہے۔ حق نواز کے نام سے دشمن کا پتّا تھا۔ باتیں بہت سی ہیں لیکن چونکہ آپ نے صرف اس واقعہ کی تفصیل پوچھی ہے اس لئے وہی بیان کرتا ہوں۔

دشمن کا برگیڈ ہیڈ کوارٹر نوگام میں تھا ہم مجاہد ڈرنہ میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ ڈرنہ سے نوگام تک پیدل سفر دو ڈھائی دن کا تھا۔ ہم تین آدمی کرنل صاحب کے حکم سے اس علاقے کی ریکی کر رہے تھے۔ ہمارا کام ہی تھا کہ دشمن کی نقل و حرکت سے کرنل صاحب کو باخبر رکھیں۔ ہم نے ہیڈ کوارٹر پہ لوگوں کا ہجوم دیکھا تو ہم بھی اپنی بکریوں کو چراتے چراتے ذرا قریب آگئے۔ ہم لوگ بالکل کشمیری حلیے میں تھے اور چرواہے بنے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے لکڑیاں کاٹ رہے تھے اور ریوڑ ہانک رہے تھے کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بہر حال ایک کرنل صاحب نے (وہ ۸ کماؤں رجمنٹ کا کمانڈنگ افسر تھا) اپنے جوانوں اور نوگام کے خاص خاص لوگوں سے کہا: ”پاکستان ہندوستان کے سامنے چیز ہی کیا ہے ہم اسے یوں

ہاتھ کے اشارے سے کچل سکتے ہیں۔ چیونٹی ہاتھی کا مقابلہ۔ پھر کچھ دیر کے بعد کہا۔" وہ ہیڈ کوارٹر کی بیرک دیکھو اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا غسل خانہ بھی ہے۔ یہ نسبت ہے پاکستان کو ہمارے بہت بڑے بھارت سے۔ کہاں بنگلہ کہاں غسل خانہ۔" ہم نے یہ باتیں اپنے کانوں سے سُنیں اور کرنل صاحب کو آکر بتائیں۔ کرنل صاحب سُن کر آگ بگولہ ہو گئے۔ جس وقت ہم نے یہ خبر پہنچائی تھی شام کا وقت تھا۔ بلکہ مغرب کا وقت تھا۔ کچھ مجاہد کھانا کھا چکے تھے کچھ کھا رہے تھے۔ کرنل صاحب نے فوراً سب کو جمع کیا اور کہا خبر ملی ہے۔ اس بدزبان نے پاکستان کی توہین کی ہے۔ جب تک ہم اس کا بدلہ نہ لیں ہم پر کھانا پینا حرام ہے۔ چلو میرے شیرو، تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ کرنل صاحب کے حکم پر سب تیار ہو گئے اور آٹھ بجے تک روانہ ہو گئے۔ بہت لمبا راستہ تھا لیکن کرنل صاحب نے کہہ دیا تھا کہ کل چھ بجے تک پہنچنا ہے کچھ ڈھلان تھی اور کچھ جوش تھا۔ سب لوگ تیزی سے جا رہے تھے بلکہ بھاگ رہے تھے راستے میں ہمارا ایک مجاہد جو ذرا کمزور تھا گر پڑا۔ ایسا لگا کہ دم دے گیا ہے۔ اس کو ہم نے کمبل سے ڈھانپ کر اس پر لکڑیاں ڈال دیں اور ہم بھاگم بھاگ آگے ہی بڑھتے رہے سب سے آگے کرنل صاحب اور ہم دو مجاہد تھے تاکہ راستہ بتا سکیں۔ صبح تک ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ کرنل صاحب نے سارے آدمیوں کو کیمپ کے ارد گرد پھیلا دیا اور حکم دیا جب تک نعرہ حیدری یا اللہ اکبر کا نعرہ نہ سنائی دے خاموش دبکے رہنا ہے۔ آدمیوں کو ادھر لگا کر کرنل صاحب نے مجھ سے اور امام دین سے کہا۔ بیٹو، اب مجھے اس کرنیل کی جگہ بتاؤ۔ ہم انہیں بیرک تک لے آئے۔ آگے سنتری کھڑا تھا۔ اس سے ہم نے کہا ہمیں کرنل سے ملنا ہے۔ اس نے پوچھا کیا کام ہے میں نے کہا ضروری کام ہے۔ اس نے کہا کرنل صاحب باہر گیا ہوا ہے۔ یہ سن کر ہم واپس

آگئے۔ کرنل صاحب نے اپنے آدمیوں کو دو تین میل پیچھے ہٹا دیا۔ اور ہم دونوں سے کہا کہ تم اپنے گاؤں جاؤ۔ (جو تین میل دور تھا) اور کرنل کے آنے کی اطلاع دینا۔ ہم اپنے گاؤں چلے گئے پھر واپس آئے۔ ادھر ادھر ٹوہ لیتے رہے، وہاں مزدوروں کا نمبردار مل گیا۔ اس سے معلوم ہوا کرنل اور بریگیڈ کمانڈر کل شام واپس آئیں گے۔ چنانچہ ادھر ادھر گھومتے رہے۔ دوسرے روز واپس بیرک پہنچے۔ لکڑی کا دو منزلہ مکان تھا اور بڑا صاحب اوپر کی منزل میں تھا اور کماؤں رجمنٹ کا کمانڈنگ افسر نیچے تھا ہم نے کرنل صاحب کو جا کر اطلاع دی کہ شکار آگیا ہے۔ کرنل صاحب نے مجاہدوں کو بتایا کہ انتقام لینے کا موقعہ آگیا ہے۔ تم لوگ جلدی جلدی کھانا کھالو۔ تھوڑا آرام کر لو۔ جوانوں نے کہا اب کھانا نہیں کھائیں گے۔ آگ جلانا پڑے گی چنانچہ صبح سویرے تک کیمپ گھیرے میں لے لیا اور بتا دیا کہ جب تک اللہ اکبر کی آواز نہ آئے کوئی اپنی جگہ سے قطعاً حرکت نہ کرے۔ اس کے بعد حملہ آور پارٹی آگے چلی، چار سپاہی، ایک حوالدار، ہمارے ساتھ رہے۔

دوسری پارٹی میجر قاضی جان صاحب کی قیادت میں تھی۔ اس کا نشانہ انجینئرز بیس تھا۔ چار سپاہی اور حوالدار ہمیں کور دینے کے لئے باہر ٹھہر گئے۔ کرنل کی بیرک کی طرف ہم تین آدمی گئے کرنیل صاحب میں راج محمد اور امام دین کے پاس اسٹین گن تھی میرے پاس کرنل صاحب کا تھیلا تھا جس میں کچھ گولیاں اور گرینیڈ تھا خود کرنیل صاحب کے سیدھے ہاتھ میں پستول تھا جس پہ کپڑا بندھا ہوا تھا، بائیں ہاتھ میں ایک بید تھا کرنل صاحب عام ملیشیا کے کپڑوں میں تھے ہم دونوں کشمیری لباس میں تھے۔ بیرک کے دروازے پہ ایک ایم پی کا سپاہی ملا اس کو ہم نے بہت اطمینان سے کہا ہم کرنل صاحب سے ایک ضروری کام سے ملنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک اس وقت

ادھر سے کرنیل کا اردلی گزرا۔ ایم پی کے سپاہی نے اردلی سے کہا ان کو کرنل صاحب سے ملا دیں۔ یہ کہا اور آگے چلا گیا۔ ہم نے اردلی سے پوچھا کرنل صاحب کدھر ہے۔ اس کے منہ سے فوراً نکلا کرنل صاحب غسل خانے میں نہا رہا ہے۔ جب یہ باتیں ہوئیں تو کرنل نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ اردلی نے کہا ایک سول آدمی آپ کو پوچھ رہا ہے کرنیل نے کہا پوچھو۔ کیا بات ہے۔ اس پر کیانی صاحب نے ذرا سخت لہجے میں کہا کہ آپ باہر آئیں تو میں بات بتاؤں گا۔ وہ کرنیل غصے سے باہر نکلا۔ سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ تولیہ کندھے پر تھا۔ پھر پوچھا تم کون ہو؟ کرنل صاحب نے گرج کر کہا اب بھی تجھے معلوم نہیں ہے کہ میں کون ہوں۔ میں اس ملک کی لیونٹ کا ٹو آئی سی ہوں جس کو تم نے غسل خانہ کہا تھا اور تو اس بڑے محل کی لیونٹ کا سی او ہے، کیانی صاحب ہاتھ کا پستول ان کی طرف تانے کھڑے تھے۔ اس نے کہا مجھے قید کرو۔ مار و مت۔ کیانی صاحب نے کہا میں تجھے چھوڑ نہیں سکتا یہ کہہ کر اس پر دو فائر کئے وہ بھاگ کر غسل خانے میں جا چھپا اندر سے کہا میری ۲۵ سال کی نوکری ہے مجھے قید کر لو۔ مار و مت۔ انہوں نے کہا میری عمر ۳۵ برس کی ہے۔ کیانی صاحب نے پھر مجھ سے گرینڈ لے کر پھینکا ہم سے لیٹ جانے کو کہا گرینڈ گستاخ کرنل کا کام کر چکا تھا۔ غسل خانہ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا وہ بری طرح لکڑیوں میں پھنس گیا تھا۔ دوسری پارٹی جو میجر قاضی جان کی کمان میں تھی اس نے ان کے آفیسرز میس میں افسروں کو جا لیا تھا۔ بیرک سے اوپر کمرہ سے بریگیڈ کمانڈر بھاگ گیا تھا۔ بیرک کے ساتھ ایک چبوترہ تھا اس پر کھڑے ہو کر حوالدار نے نعرۂ حیدری لگایا تو ہمارے مجاہد دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اس چھاپے میں دشمن کی پوری پلٹن، اس کا سارا ساز و سامان ایمونیشن، پٹرول ڈپو سب کچھ تباہ کر دیا گیا۔ دشمن کا صرف ایک سگنل حوالدار باقی بچا تھا جو کہیں بنکر میں چھپا بیٹھا تھا۔ ہمارے مجاہدوں میں سے

ایک شہید اور چار زخمی ہوئے تھے۔ حملے کے بعد ہمارے پاس صرف ۱۳۵ راؤنڈ باقی بچے تھے۔ کرنل صاحب نے کام تو اور بھی بہت سے کئے لیکن چھاپہ ان کی جرأت اور قیادت کا شاہکار تھا۔

ستارۂ جرأت کا اعزاز اور اس پر کیانی کا ردعمل

اس معرکے پر حق نواز کو ستارہ جرات ملا۔ دنیا جہان میں ان کی جرأت اور فراست کے اس حیرت انگیز کارنامے پہ واہ واہ ہوئی لیکن خود حق نواز کیانی کا تاثر کیا تھا اس کا اندازہ اس گفتگو سے ہو سکتا ہے جو ان کے اور لیفٹیننٹ کرنل (بعد کو بریگیڈیر) محمد اسلم جنجوعہ سے جون ۱۹۶۶ء میں پی ایم اے کے میس میں ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کو خوب جانتے تھے۔ کالج کے رشتے سے باہم منسلک تھے۔ دونوں کو ۶۵ء میں ستارہ جرأت ملا تھا۔ میجر حق نواز نے کہا:۔

"مبارک ہو، سر، ستارہ مبارک ہو۔ اس پہ اسلم صاحب نے کہا آپ کو بھی مبارک ہو" اس کا جواب حق نواز نے یہ دیا۔ "ستارہ تو خیر مل گیا لیکن اپنا کام نہیں بنا" کام نے نہ بننے سے ان کی کیا مراد تھی۔ یہ راز بعد کو کھلا۔

کرنیلی کے عہدے پر ترقی

۶۵ء کے ستارہ جرأت کی وجہ سے حق نواز کیانی کو ۱۹۶۶ء کے وسط میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پہ ترقی ملی۔ اس سے پہلے انہیں بوجوہ نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں میجر جنرل (ریٹائرڈ) ممتاز علی ستارہ جرأت (دوبار) تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حق نواز نے لیفٹیننٹ کی حیثیت سے کشمیر آپریشن میں حصہ لیا تھا۔ بڑا اچھا کیریر تھا

اہم منصبوں پر فائز رہے تھے لیکن میجر سے کرنل نہیں بن سکے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں انہوں نے غیر معمولی شجاعت و فراست کے کارنامے انجام دیئے جن کے اعتراف کے طور پر انہیں ستارہ جرأت کا اعزاز دیا گیا۔

اس کارکردگی کے نتیجے میں انہیں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی ان کی ترقی اس امر کی واضح مثال ہے کہ ایک افسر کو امن کے زمانے میں تو ترقی کا اہل نہیں سمجھا گیا لیکن جنگ میں اس نے اپنی اہلیت ثابت کر دی اور اس نے ترقی حاصل کر لی۔ بدقسمتی سے دفاعی ملازمتوں میں دنیا جہان میں دستور بھی ہے کہ افسر کی اہلیت اس کے زمانہ امن کی کارکردگی سے خاص قسم کے پیمانوں سے جانچی جاتی ہے۔ (اور اس کے بغیر چارہ بھی نہیں)، لیکن اہلیت کا صحیح امتحان تو میدان جنگ میں ہی ہوتا ہے۔ میں اپنے تجربے سے کہہ سکتا ہوں کہ زمانہ امن میں یہ جانچنا کہ یہ افسر جنگ میں موثر ہوگا یا نہیں مشکل ہوتا ہے۔ چونکہ زمانہ امن اور جنگ کے حالات ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ بہرحال دنیا کی ریت یہی ہے کہ دیوانوں کو شہر کی نہیں دشت کی فضا راس آتی ہے۔ حق نواز نے بھی میدان جنگ میں اپنا لوہا منوایا اور کرنیلی لے کر ڈھاکہ روانہ ہو گئے۔

ایسٹ پاکستان رائفلز میں لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی نے ایسٹ پاکستان رائفلز کی کمان سنبھالی۔ ایسٹ پاکستان میں اس وقت مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کا چرچا شروع ہو گیا تھا اور بنگالی نیشنلزم چنگاریاں فضا میں اڑنے لگی تھی۔ بعض بنگالی افسر بنگلہ قومیت کی عصبیت کا اظہار جا و بجا کرتے تھے اور ای پی آر کے کاموں میں دخل دیتے تھے حق نواز کیانی نے سختی سے اس کا سدِ باب کرنے کی کوشش کی لیکن جو آگ لگ چکی تھی وہ یوں آسانی سے بجھنے والی نہیں تھی۔

ایسٹ پاکستان رائفل سے واپس آکر حق نواز کیانی کی پوسٹنگ ۹ ڈویژن کے ساتھ ہوئی ۶۸-۱۹۶۷ء میں حق نواز کھاریاں ہی تھے۔ اکتوبر ۶۸ء میں انہوں نے ملٹری کالج جہلم کے اولڈ بوائز کی ری یونین کا اہتمام کرنے میں کافی جوش و خروش سے حصہ لیا تھا۔ اس زمانے میں حق نواز کیانی کا بڑا لڑکا اصغر نواز کیانی بھی ملٹری کالج میں زیر تعلیم تھا۔

۱۹۷۰ء میں ریٹائرمنٹ

۱۹۷۰ء میں مدت ملازمت پوری ہونے پر انہوں نے ریٹائرمنٹ لینا پسند کیا۔ ان کی افتاد ایسی تھی کہ آداب ملازمت نبھانا ان کے لئے ہمیشہ مشکل رہا تھا۔ اپنی طبیعت کے سوا کسی اور سانچے کو وہ قبول ہی نہیں کر سکتے تھے۔ یہی ان کی ہار تھی یہی ان کی جیت۔

ریٹائرمنٹ کے بعد

وردی اتارنے کے بعد انہوں نے بڑے شوق سے جہلم چھاؤنی کے پاس چار مربعے زمین پٹے پر لی اور بڑے ذوق شوق سے کھیتی باڑی شروع کر دی۔ کھیتوں کی کھلی فضا میں یہ آزاد کام ان کی آزاد طبیعت کے عین مطابق تھا۔

کھیتی باڑی میں بھی ان کا اپنا انداز تھا۔ مزدوروں اور مزارعوں کو اپنی اولاد کی طرح رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ کام کرتے تھے جب کبھی کام سے دیر ہو جاتی تو وہیں زمینوں پہ ایک چھوٹے سے کوٹھے میں زمین پر سو جاتے۔ لیکن ایک چبھن ان کے دل میں باقی تھی۔ ایک آرزو انہیں اب بھی بے چین رکھتی تھی۔ وہ تھی شہادت کی آرزو۔ جب کشمیر کے معرکے کے قصے سناتے تو تان اس پہ ٹوٹتی۔ ستارہ جرأت ملا۔ عزت ملی۔ مربع ملا۔ لیکن دل کی حسرت نہیں نکلی۔

جنگ دسمبر ۱۹۷۱ء میں دوبارہ محاذ پر

جب ۳ دسمبر ۷۱ء کو جنگ چھڑی تو ریٹائرڈ افسر دوبارہ فوجی خدمت پہ بلائے گئے۔

ان کو اطلاع ملی تو تڑپ اُٹھے ۔ وہ میدان کارزار کے آدمی تھے ۔ میدان کارزار میں ان کا دل لگتا تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی چھٹی حس نے انہیں بتایا تھا ۔ حق نواز خوش ہو جا اب تری مراد پوری ہونے کی ساعت آن پہنچی ۔ چنانچہ اس لمحے کے بعد سے ان کے تیور بدلے ہوئے تھے

جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر

ڈیوٹی پہ فوراً رپورٹ کرنا تھا ۔ جلدی جلدی زمینوں پہ گئے ۔ ملازموں اور مزارعوں کو اکٹھا کیا اور بقول ان کے پرانے ملازم فضل نے کرنل صاحب سے کہا ۔

یہ آپ سے میری آخری ملاقات ہے ۔ آپ دعا کریں کہ میں اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤں اور میرا بھی کام بن جائے ۔

یہ باتیں سُن کر ان سیدھے سادھے بندوں کو حیرانی ہوئی لیکن چونکہ وہ اس طرح کی باتیں اپنے کرنل صاحب سے اکثر سنتے رہتے تھے اس لئے انہیں کوئی خاص دھیان نہ تھا ۔ معانقہ کیا ۔ ہاتھ سینوں سے لگائے اور اپنے اس آقا کو جو سنگی ساتھی تھا خدا حافظ کہا ۔

حق نواز کیانی ان دنوں منگلا چھاؤنی میں رہتے تھے ۔ گھر سے رخصت ہو رہے تھے کہ ہوائی حملے کے سائرن بجنے لگے ۔ تھوڑی دیر میں دشمن کے ہوائی جہاز نمودار ہوئے باقی سب تو خندقوں میں چھپ کر بیٹھے تھے ۔ حق نواز بنگلے کے صحن میں ہوائی جہازوں کو دیکھ رہے تھے ۔ ساتھ ہی بڑا لڑکا اصغر کھڑا تھا ۔ دیکھتے دیکھتے دشمن کا ایک جہاز غوطہ لگا کر نیچے آیا اور بہت نیچے آکر راکٹ پھینک کر چلا گیا رفتار بھی کچھ زیادہ نہیں تھی ۔ اصغر نے کہا ۔

ڈیڈی ! جہاز نے اتنے نیچے آکر کیسے راکٹ گرایا ؟ کسی نے اسے گرایا کیوں نہیں ۔

حق نواز نے جواب دیا جو خطرہ مول لیتا ہے کامیاب ہوتا ہے خدا ہمیشہ دلیروں کا ساتھ دیتا ہے ۔ کچھ دیر بعد وہ میدان کارزار کی طرف روانہ ہو گئے ۔

دسمبر ۱۷ء میں انہیں اپنی رجنٹ ۱۳۔ اسے کی کمان دی گئی۔ اس پلٹن میں ایک کمپنی اسکاؤٹس کی بھی تھی۔ فرائض منصبی کی جگہ اس بار بھی وہی وادی کیان لیپا ویلی پانڈو پہاڑی کا علاقہ جس کے چپے چپے سے وہ واقف تھے ان کی نصف جان ہمیشہ کشمیر کی وادیوں میں رہتی تھی آج پھر وہ اپنی محبوب فضاؤں میں تھے۔ انہی کا تحفظ ان کے سپرد تھا۔

فائر بندی کے بعد دسمبر ۱۷ء کے اواخر میں دوبارہ بلائے گئے لیفٹیننٹ کرنیلوں کی واپسی کے احکامات بھی جاری کر دیئے گئے تھے اس سرکاری چھٹی میں حق نواز کا نام بھی شامل تھا۔ قاعدے سے انہیں جنوری ۷۲ء کے شروع میں واپس آجانا چاہیئے تھا لیکن قضا و قدر کو تو کچھ اور ہی منظور تھا وہ واپس کیسے آتے۔

میجر (ریٹائرڈ) محمد یعقوب صاحب کہتے ہیں:۔

پنڈی کے مرکزی دفتر سے واپسی کے احکامات جاری ہو چکے تھے لیکن علاقے کے کمانڈر نے انہیں بطور خاص روک لیا۔ انہوں نے چیف آف آرمی اسٹاف سے کہا کشمیر کی صورت حال ٹھیک نہیں۔ لیپا ویلی میں خاص طور پہ سے دشمن نے زیادتی کی ہے اس کھنچاؤ کے عالم میں یہ افسر ضروری کارروائی کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس کو اس محاذ پہ رکھا جائے اس طرح کیانی لیپا ویلی میں تعینات رہے۔

اپریل ۷۲ء میں کیانی چند روز کے لئے چھٹی آئے ان کے بال بچے منگلا میں ہی تھے ان سے ملے پھر جادہ میں اپنی ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حسب معمول انہوں نے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ گلے لگایا دعائیں دیں جب حق نواز چلنے لگے تو بولے۔

"بے جی دعا کریں کہ اس بار مجھے شہادت مل جائے"

شہادت سے چند روز پہلے وہ پنڈی میں اپنے پرانے دوست میجر سرور خان سے ملے جو اس وقت جی ایچ کیو میں تھے اس ملاقات کے بارے میں سرور خان لکھتے ہیں:

۱۸ء کی فائر بندی کے بعد وہ چند دنوں کی چھٹی آئے تھے پہلے تو اپنے ۵۰ء کے ایس جے کے مربع پر نظر ڈالنے لائل پور گئے وہاں سے واپسی پر کیانی ایک رات میرے ہاں راولپنڈی ٹھہرے۔ رات کے کھانے کے بعد کیانی نے عشا کی نماز پڑھنا شروع کی اور اس روز کچھ زیادہ ہی لمبی کر دی جب خاصی دیر ہو گئی اور کیانی کے اوراد نوافل ختم ہونے کو نہ آئے تو میں نے کہا کیانی تھوڑی بہت نماز آئندہ کے لئے بھی باقی رکھو۔ تو کہنے لگے تم اپنے حال میں خوش رہو میں اپنے حال میں خوش ہوں۔ نماز کے بعد وہ میرے بستر پہ آ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے میں تم سے ایک مسئلے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ دشمن نے میری پلٹن کے ساتھ بہت غلط رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ میری ایک پوسٹ دشمن کے گھیرے میں ہے اس کو تنگ کیا جا رہا ہے میرے لئے یہ ناقابل برداشت ہے اس کا جواب نہ دینا اور پوسٹ کا تحفظ نہ کرنا بڑی بزدلی اور بے غیرتی ہے۔ میں دشمن کے جارحانہ رویئے کو خوب سمجھتا ہوں۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد دشمن شیر ہو گیا ہے اس کے جارحانہ اور سخت پُر غرور انداز سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اب ہم اس کا مقابلہ کرنے کی سکت اور جرأت نہیں رکھتے میں اسے اس کی اس غلط فہمی کا مزہ چکھانا چاہتا ہوں۔ بیروباڑی کی پوسٹ ہمارے لئے وقار اور عزت کا مسئلہ بن گئی ہے۔ ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ کیانی حسب معمول سخت جوش میں تھے میں نے صرف اتنا کہا آپ جو بھی قدم اٹھائیں ان حدود کے اندر رہ کر اٹھائیں جو آپ کے لئے متعین کر دی گئی ہیں۔

پھر کیانی نے اس رات اپنے گھر اور خاندان کی باتیں اور اس کے مسائل پہ کھل کر باتیں کیں۔ یہ باتیں مشورے سے زیادہ وصیت اور خواہش کی نوعیت رکھتی تھی میں اسی وقت کھٹک گیا تھا کہ ان کا ارادہ اب کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کا ہے۔

اس ملاقات کے چند روز بعد کوئی دس بجے رات ان کا فون لیپا کے دور دراز

دشوار گزار علاقے سے آیا موضوع وہی بیرو باڑی کی پوسٹ اور ہندوستانی کمانڈروں کی ہٹ دھرمی اس پوسٹ کی ناکہ بندی جاری تھی اور وہ اسے کھولنے کے درپے تھے۔ وہ کوئی بیس منٹ تک بولتے رہے۔ یہی وہ رات تھی جب وہ کفن باندھ چکے تھے۔ دوسرے دن ان کے برادر نسبتی پروفیسر سے ان کی شہادت کی خبر ملی۔

کفن کا ٹکڑا

وادی لیپا کے گاؤں کرناہ کے مدرسہ فیض الاسلام کے مہتمم مولوی نصراللہ خان راوی ہیں کہ جس دن شہید ہوئے اس کے قبل کے جمعے کی نماز کیانی صاحب نے لیپا کی مسجد میں پڑھی۔ نماز پڑھ کے لیپا کے بازار سے گزرنے لگے تو ایک دکاندار حاجی شیر زمان کی دکان سے انہوں نے سفید لٹھے کا ایک ٹکڑا خریدا اور سر پہ باندھ لیا۔ جو لوگ ساتھ تھے۔ انہوں نے پوچھا کرنل صاحب یہ کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میری آرزو ہے کہ مجھے شہادت نصیب ہو اور کپڑے کا یہ ٹکڑا میرا کفن بن جائے۔ آپ لوگ دعا کریں کہ میری یہ آرزو پوری ہو اور یہ بھی کہ جب تک میں چپہ چپہ سے ہندوؤں کو نکال نہ دوں۔ اللہ مجھے موت نہ دے۔

لیپا ویلی کا محل وقوع

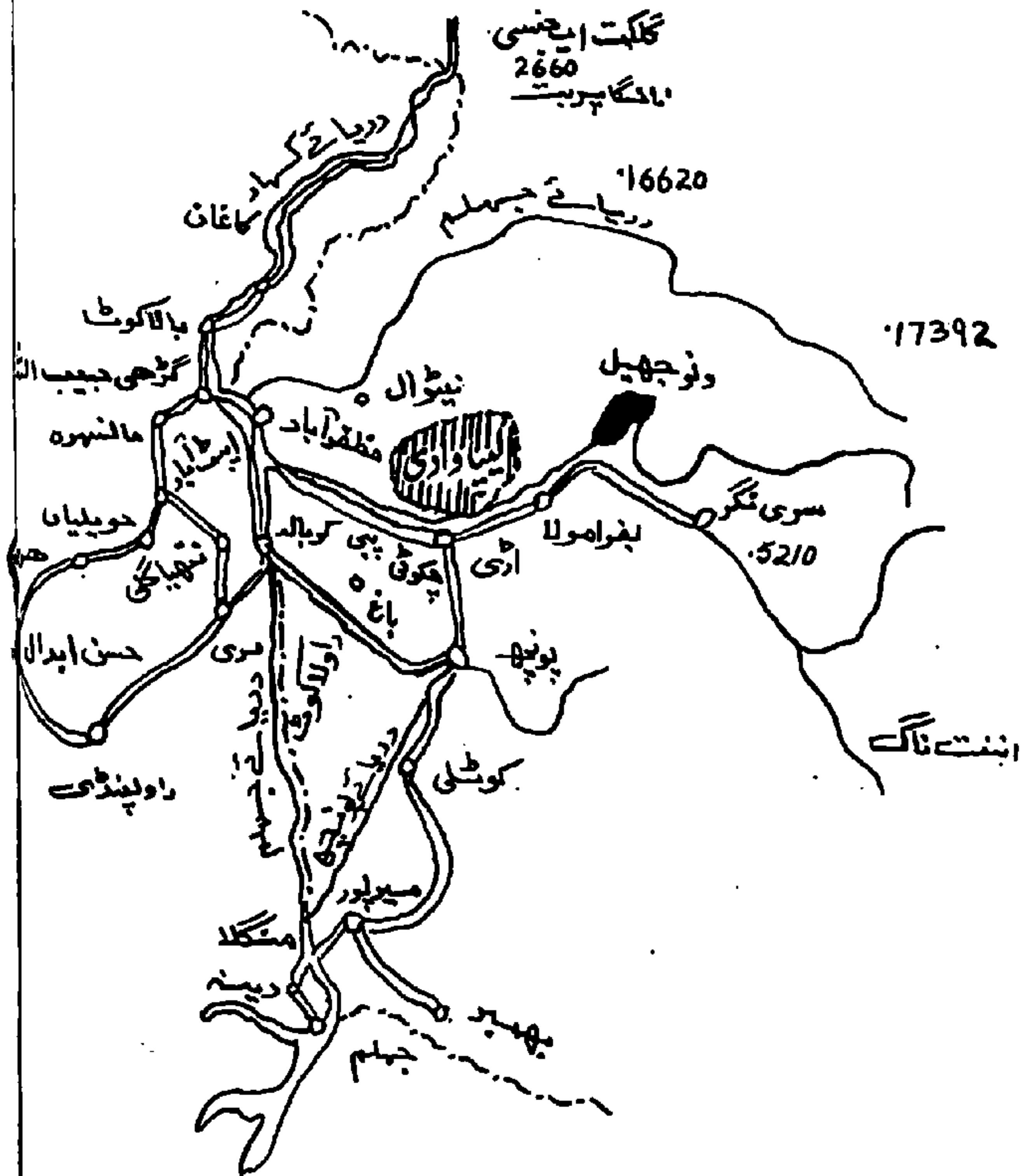
لیپا ویلی آزاد کشمیر کے جنوب مشرق میں واقع ہے اس کی بلندی ساڑھے چھ ہزار فٹ ہے اس کے سامنے شمشا بھری اور پیچھے کافرخان رینج ہے۔ دائیں طرف پڈوری اور پانڈو کی پہاڑیاں ہیں اور بائیں طرف چکوٹ گاؤں ہے جو مقبوضہ علاقے میں ہے اور ٹیٹوال سیکٹر سے صرف آٹھ میل دور ہے۔ ویلی کی لمبائی تقریباً سات میل اور چوڑائی

دو ہزار گز ہے۔ اس کے درمیان سے قاضی کھٹا ناک کا نالہ تقریباً سارے سال چلتا ہے۔

کیانی رج منڈل لیپا گاؤں سے شمال مشرق کی طرف تقریباً پندرہ سو گز کے فاصلے پر واقع ہے جس کا ایک سلسلہ چک پترا اور شمشا بھری رینج سے جا ملتا ہے۔ کیانی رج کا سلسلہ ساڑھے سات ہزار فٹ سے شروع ہو کر تقریباً اڑھائی ہزار فٹ تک جاتا ہے کیانی رج کا پرانا نام چانٹنا رج ہے۔ کیانی رج ہی کا اگلا حصہ چک پترا کے نام سے مشہور ہے جس کی اونچائی ساڑھے نو ہزار فٹ ہے۔

لیپا ویلی کے لوگ بہت غریب ہیں جن کا پیشہ محنت مزدوری اور معمولی کاشت کاری ہے یہاں صرف مکئی اور چاول کی کاشت ہوتی ہے چونکہ یہاں پانی کی کوئی کمی نہیں۔ یہاں کا چاول کشمیری چاول کہلاتا ہے بہت اچھا ہوتا ہے لیکن قابل کاشت زمین کی قلت کی وجہ سے مکئی اور چاول کی پیداوار کم ہوتی ہے جس سے بمشکل ان کا گزارہ ہوتا ہے۔ مکئی چاول جون میں بوتے ہیں اور مکئی ستمبر میں اور چاول اکتوبر میں کاٹتے ہیں۔ یہ لوگ جون سے لے کر نومبر تک کھانے پینے کا سامان اور جلانے کے لئے لکڑی اور مال مویشی بکریوں کے لئے گھاس وغیرہ جمع کرتے ہیں۔ نومبر سے فروری مارچ تک سارا علاقہ برف کی موٹی تہہ سے ڈھکا رہتا ہے۔

لیپا ویلی کا نقشہ



میل 1250 1000 750 500 250 50 10 15 20

سکیل = 1 انچ = 25 میل آر ایف = $\frac{1}{1584000}$

معرکہ لیپا ویلی کا پس منظر

۳ر دسمبر ۷۱ء کی شام دشمن نے لیپا ویلی پر ٹیٹوال کی سمت سے حملہ کیا۔ ساڑھے سات ہزار فٹ بلند پہاڑی پر جنگ ہوئی۔ دشمن نے پوری بٹالین سے حملہ کیا جسے صرف ایک کمپنی نے روکا۔ کمپنی کمانڈر میجر عزیز شہید ہوگئے۔ دشمن نے دوسرا حملہ سکھ رجمنٹ سے ایک اور بلند پہاڑ توت مارگلی سے کیا یہاں ہمارے اسکاؤٹس تھے ان کی نفری کم تھی اور ساز و سامان اس سے کم۔ چنانچہ دشمن حملے میں کامیاب رہا۔

۸ر دسمبر ۷۱ء سے آزاد کشمیر کی ایک پلٹن نے جم کر مقابلہ شروع کیا۔ دشمن کا وار تمام وادی پر تو کامیاب نہ ہو سکا لیکن اس نے کچھ پیش رفت کی۔ دشمن نے ہماری ایک پوزیشن بیڑو والی ناڑ کو گھیرے میں لے کر کمک اور سپلائی کے سارے راستے کاٹ دیئے۔ اس کے باوجود اس پوزیشن کے کمپنی کمانڈر میجر حبیب نے جی توڑ کر حملہ روکا۔ جب ۱۷ر دسمبر کو فائر بندی ہوئی تو یہ پوزیشن گھیرے میں تھی۔ فائر بندی کے بعد بھی اس کی یہ حیثیت برقرار رہی۔ اس کے چاروں طرف کے پہاڑوں پر دشمن کی پوسٹیں تھیں۔ بیرو والی ناڑ تک سپلائی پہنچانے کے لئے صرف ایک راستہ تھا جو دراصل ایک ندی ہے۔ یہ راستہ آزاد کشمیر فورس کی تحویل میں تھا اور ادھر سے دشمن کے زیر تصرف علاقے سے گزر کر بیرو والی ناڑ تک سپلائی جاتی تھی۔ ۱۷ر دسمبر ۷۱ء سے یہ سلسلہ جاری تھا اور دشمن نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ۲۷ر اپریل ۷۲ء کو دشمن نے بیرو والی ناڑ پوسٹ کی سپلائی کا راستہ بند کر دیا۔ ندی کے دائیں بائیں پہاڑوں پر دشمن کا قبضہ تو تھا ہی۔

یہ سپلائی بند کرنا دشمن کا ایک اچھا ہتھیار تھا اور سراسر انتقامی کارروائی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ فائر بندی کی رات شمال میں ہمارے دشمنوں نے آگے بڑھ کر مقبوضہ کشمیر کے دو پہاڑوں گٹی پتھرا اور کرسی ڈنہ پر قبضہ کر لیا۔ اسے جموہا بلیج کہتے ہیں۔ بلیج پر قبضے سے دشمن کو یہ نقصان ہوا کہ اس کا جو بریگیڈ لیپا وادی میں تھا دوسرے بریگیڈوں سے کٹ گیا اس کا قریب ترین سپلائی کا راستہ اور ٹیلی فون کے تاروں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اپریل ۷۲ء کے آغاز میں دشمن نے پاکستانی کمانڈروں سے جموہا بلیج میں سے سپلائی یا ٹیلی فون تار گزارنے کا راستہ مانگا جو ظاہر ہے نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ یہ بریگیڈ تھا جسے دشمن نے لیپا وادی پر قبضہ کرنے کے لئے مورچہ بند کر رکھا تھا۔

یہ مطالبہ رد ہونے پر دشمن نے طاقت استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ۲۷ اپریل ۷۲ء کو دشمن نے جموہا بلیج کے دونوں اہم مقامات کرسی ڈنہ اور گٹی پتھرا پر توپ خانے کی شدید گولہ باری شروع کر دی اور اس کی اوٹ میں پوری کمپنیوں سے ان پوزیشنوں پر حملہ کر دیا جہاں آزاد کشمیر فورس کی صرف ایک پلاٹون مورچہ بند تھی۔ ہمارے جانبازوں نے نفری اور اسلحہ کم ہوتے ہوئے بھی دشمن کا بے جگری سے مقابلہ کیا۔ چنانچہ دشمن ایک سو بیس لاشیں چھوڑ کر پسپا ہو گیا۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے دشمن نے ۲۷ اپریل کو بیرو والی ناڑ پوسٹ کی سپلائی کا راستہ بند کر دیا۔

دو دن تک پوسٹ تک نہ راشن پہنچ سکا نہ ایمونیشن۔ ۲۹ اپریل ۷۲ء کو دونوں طرف کے مقامی کمانڈروں کی میٹنگ ہوئی۔ ادھر سے نمبر ۹ سکھ رجمنٹ کا کمانڈنگ افسر چنگیا یا آیا ادھر سے کرنل کیانی گئے۔ کرنل چنگیا یا نے وہی پرانا مطالبہ دہرایا کہ انہیں جموہا بلیج میں سپلائی گزارنے کا راستہ دیا جائے۔ پھر دھمکی آمیز لہجے میں کہا بصورت دیگر وہ بیرو والی ناڑ کی سپلائی لائن بالکل بند کر دے گا۔ حالانکہ ۷۱ء دسمبر سے یہ سپلائی لائن جاری تھی۔ کرنل کیانی نے کہا وہ اپنے سینیئر کمانڈر سے بات کریں گے۔ بھارتی کرنل نے کہا اچھا راشن بھیج دو ایمونیشن

نہیں جاسکتا۔

راشن تو جانے لگا لیکن بھارتی افسروں اور جوانوں نے عاجز کرنے کا یہ طریقہ نکالا کہ انہوں نے راستے میں باقاعدہ چیک پوسٹ قائم کر لی اور سامان کی تلاشی کے بہانے حد درجہ تنگ کرنے لگے۔

تیسرے روز دیکھا گیا کہ سامنے توت مار گلی پہاڑ سے دشمن کی پوری ایک بٹالین اتر کر نیچے آ رہی ہے اس سے صاف ظاہر تھا کہ دشمن وادی میں جارحانہ عزائم رکھتا ہے۔

کرنل حق نواز نے چیلنج قبول کر لیا

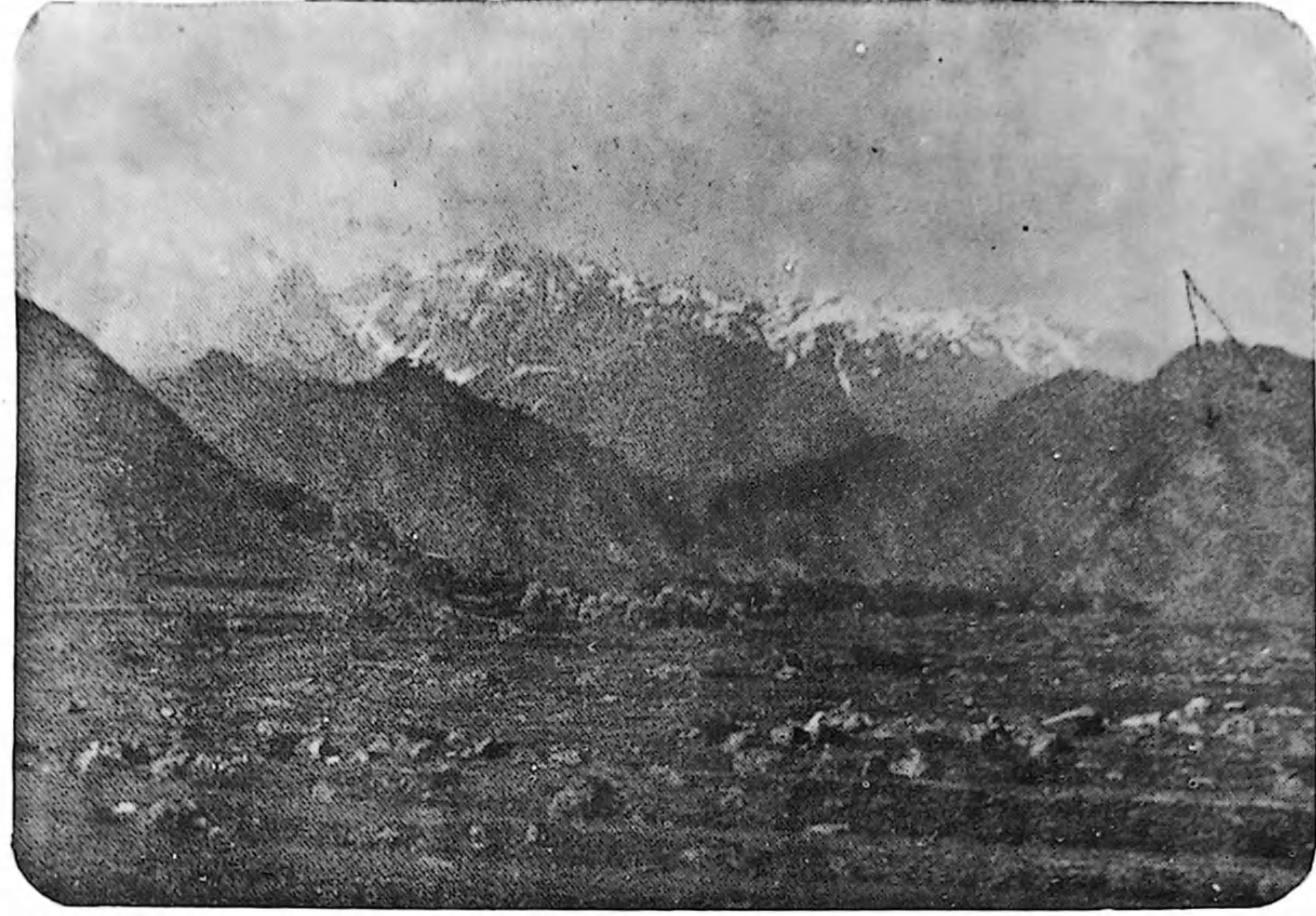
۲ مئی ۷۱ء کو دونوں مقامی کمانڈروں کی ایک اور میٹنگ ہوئی۔ ادھر سے لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید، میجر اشتیاق احمد راجہ اور میجر یار افضل آفریدی گئے۔ ادھر سے کرنل چنگیا پا آیا اور آتے ہی بڑے جارحانہ انداز سے کہنے لگا میرے بریگیڈ کمانڈر نے کہا ہے کہ آزاد کشمیر فورس بیرو والی ناڑ خالی کر دے یا جموبا لیچ سے گٹی پتھرا والی پوزیشن چھوڑ دے، ورنہ بیرو والی ناڑ کی سپلائی کا راستہ نہیں کھولا جائے گا۔ کرنل حق نواز، چنگیا پا کے لب و لہجہ سے بھانپ گئے کہ ہندو انہیں چیلنج کر رہا ہے انہوں نے کرنل چنگیا پا سے کہا ہم خود راستہ کھول لیں گے اور چیلنج قبول کر لیا۔ کرنل چنگیا پا بولا۔ میری طرف سے فائر میں پہل نہیں ہو گی لیکن چنگیا پا کی یہ یقین دہانی ایک فریب تھا اسی رات گیارہ بج کر پچیس منٹ پر دشمن نے لیپا وادی میں تمام اگلی پوسٹوں پر بھاری توپخانے سے شدید گولہ باری شروع کر دی جو صبح تک جاری رہی۔ صبح ۴ بجے دشمن نے نمبر ۴ بہار رجمنٹ سے بیرو والی ناڑ پر دو طرف سے حملہ کر دیا۔ اس پوسٹ پر اس وقت ایک پلاٹون تھی۔ اس کے کمانڈر کیپٹن جاوید انور نے بڑی جواں مردی اور ہوشیاری سے حملے کا مقابلہ کیا اور ڈیڑھ گھنٹے کے بعد دشمن کا حملہ پسپا کر دیا۔ دشمن

کا کمپنی کمانڈر میجر گنگولی مارا گیا۔ اپنے پانچ جوان شہید تین زخمی اور ایک قیدی ہوا۔

لیکن اس پوسٹ تک جانے کا راستہ دشمن نے پوری طرح سر بمہر کر رکھا تھا چنانچہ وہاں سے نہ زخمیوں کو پیچھے لایا جا سکتا تھا نہ لاشوں کو۔ پوسٹ میں ایمونیشن ختم تھا۔ ۱۴ مئی کو دن کے وقت دشمن نے گولہ باری جاری رکھی لیکن حملہ نہ کیا۔ اب خطرہ یہ تھا دشمن کی ایک بٹالین جو تورت گلی سے اترتی دیکھی گئی تھی رات کو بیروالی ناڑ پر حملہ کرے گی۔

کرنل کیانی نے جوابی حملے کا پلان تیار کر لیا اور اپنے اعلیٰ افسروں کو صورت حال کی سنگینی سے آگاہ کیا۔ اعلیٰ کمان کی منظوری کے بعد کرنل حق نواز کیانی نے اپنے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لئے نہایت تیزی سے اقدامات کرنے شروع کر دیئے۔ حملے کا دن ۴۔۵ مئی کی درمیانی شب ڈھائی بجے کا وقت مقرر کیا گیا۔ وہاں کوئی ریزور ٹروپس نہیں تھے تمام دستے مختلف پہاڑیوں پر پوزیشن میں تھے۔ کوئی بھی پوزیشن چھوڑی نہیں جا سکتی تھی۔ حملے کے لئے نفری انہی کمپنیوں سے لینی تھی۔ ایک پلاٹون کے کمانڈر صوبیدار محمد صادق تھے۔ دوسری کے کمانڈر صوبیدار غلام محی الدین تھے۔ تیسری پلاٹون جو بٹالین کے چنے ہوئے کمانڈو جوانوں سے تیار کی گئی تھی اس کے پلاٹون کمانڈر صوبیدار محمد یوسف تھے۔ ایک کمپنی اسکاؤٹس کی لی گئی جس کے کمانڈر میجر یار افضل آفریدی تھے اور اس فورس کی کمان میجر محمد صابر خان کے سپرد کی گئی۔

حملے کے لئے توپ خانے کی امدادی گولہ باری لازمی تھی لیکن اس وقت اپنے توپخانے کی قوت بہت ناکافی تھی۔ بیٹری کی چار ہوائی توپیں تھیں اور صرف دو مارٹر گنیں۔ بر وقت مزید کمک پہنچانا ناممکن تھا۔ اسی ناکافی نفری، ساز و سامان کے ساتھ حملہ کرنا تھا۔ وقت ہمارے خلاف تھا۔ رات ڈھائی بجے کی گھڑی ہر دم قریب آ رہی تھی۔



چک پترا کا پہاڑ

معرکہ کی نوعیت

چک پترا نامی پہاڑ کی دو میل لمبی چوٹی پہ سکھ رجمنٹ کی دو کمپنیاں مضبوطی سے مورچہ بند تھیں۔ دشمن کی نفری بھی زیادہ تھی۔ توپ خانہ بھی بہت طاقتور تھا (ایک میڈیم بیٹری دو فیلڈ بیٹریاں ایک مارٹر بیٹری)، اس پہ مستزاد پہاڑ کی بلندی اور ساخت تھی۔ دامن سے چوٹی تک چک پترا کی بلندی ساڑھے چار ہزار فٹ اور ساخت کے لحاظ سے چک پترا عمودی ہے (یعنی زمین سے بتدریج اوپر نہیں اٹھتا بلکہ سیدھا اوپر کو جاتا ہے) اس چک پترا پر رات کی تاریکی میں خاموشی سے چڑھ کر حملہ کرنا تھا۔ یہ پہاڑ دشمن سے چھین لینے سے نہی بیر والی ناڑ پوسٹ محفوظ ہو سکتی تھی اور راستہ مل سکتا تھا اور دشمن کے چیلنج کا جواب دیا جا سکتا تھا۔

اس مختصر سی تفصیل سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ معرکہ جنگ کے کتابی اصولوں کے لحاظ سے تقریباً ایک ناممکن ایکشن تھا جس میں کامیابی کسی معجزہ سے ہی رونما ہو سکتی تھی۔ لیکن ؎

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

چک پترا کے اس معرکے میں نگاہ مرد مومن کی تاثیر دنیا نے دیکھ لی۔

جہاد شروع ہوتا ہے

شام کے چھ بجے تک کرنل حق نواز کیانی نے مہم کے سربراہ اور کمپنیوں کے کمانڈروں سے صلاح مشورہ ختم کر کے جہاد میں شریک ہونے والے دستوں سے خطاب کیا۔

میرے بیٹو، میرے پیارے مجاہدو، آج وہ وقت آن پہنچا جس کے لئے ہماری

ماؤں نے ہمیں جنا تھا اور اپنا پاک دودھ پلا کر ہمیں پالا پوسا تھا۔آج وہ وقت آن پہنچا جب ہم اسلام کی خاطر یہ ثابت کریں کہ بزرگوں کا خون ہماری رگوں میں رواں ہے۔ میرے غازیو آج وقت آن پہنچا جب ہم اسلام کی خاطر اور اس پاک وطن کی خاطر جو اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا سر دھڑ کی بازی لگائیں گے۔ ہم مرجائیں گے ہم کٹ جائیں گے لیکن ہم اپنے پاک وطن پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔میرے شہیدو، تمہارا رب تمہاری رگ وجان سے بھی قریب ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ میرے اور تمہارے دلوں میں کیا ہے۔رب کعبہ کی قسم گنبد خضرا کی قسم، ہم اللہ کے نام پہ اس کے رسول پاک کے نام پر لڑنے نکلے ہیں۔ ہمیں زمین کی ہوس ہے نہ مال کی ضرورت ہم صرف اسلام کی سربلندی کے لئے پاکستان کی سرفرازی کے لئے میدان کارزار میں اتر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے مجھے یقین ہے مجھے یقین ہے کہ کل صبح سورج طلوع ہوگا تو چک پترا پہ پاکستان کا سبز جھنڈا چاند تارے والا لہرا رہا ہوگا۔میرے مجاہدو میرے غازیو، میرے شہیدو، تمہارے راستے میں بارودی سرنگیں بھی بچھی ہوں گی۔تار بھی تمہارا راستہ روکیں گے۔ میں نے اللہ کا کلام ان پہ دم کر رکھا ہے اس کلام کی برکت سے یہ سرنگیں تمہارے لئے بے ضرر بن جائیں گی۔ انشاء اللہ تم بارودی سرنگوں میں گزرو گے اور یہ مائنز تمہارا راستہ نہیں روکیں گی۔کوئی آواز پیدا نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ تم دشمن پہ قہر بن کر نازل ہو جاؤ گے اور پھر کہا قرون اولی کے مسلمان جب جہاد کے لئے نکلتے تھے تو کفن باندھ کے نکلتے تھے تو سب سے پہلے میں کفن باندھتا ہوں یہ کہہ کر کرنل حق نواز نے جیب سے کفن کا اوپر والا حصہ نکالا اور سر سے باندھ لیا۔یہ دیکھ کر اس مہم کے کمانڈر میجر محمد صابر خان شہید نے جیب سے سفید رومال نکالا اور سر سے لپیٹ کر کہا اس رومال کو کفن سمجھا جائے۔میں اللہ تعالے سے عہد کرتا ہوں کہ کامیابی حاصل کروں گا یا شہید ہو جاؤں گا۔

دونوں افسروں کا سر پہ کفن باندھنا تھا کہ جیسے مجاہدوں کے مجمع میں بجلی دوڑ گئی

جوش کے مارے نعرے سینوں سے اپنے آپ نکلنے لگے۔ان مجاہدوں کے جوش و جذبے کی وہی کیفیت تھی جو کبھی طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم کے مجاہدوں کی ہوئی ہوگی۔

جوانوں کا لہو گرمانے کے بعد حق نواز کیانی نے اپنے کمانڈروں کو پھر بلایا۔ حملے کی تفصیلات پر پھر نظر ڈالی اور اللہ کا نام لے کر نہایت اطمینان سے اور ہوش کے ساتھ آپریشن کا پہلا مرحلہ شروع کر دیا گیا۔

دشمن آس پاس کے پہاڑوں پر مورچہ بند تھا حق نواز کیانی نے دشمن کو تعداد کا دھوکہ دینے کے لئے مختصر سے دستوں کی نمائش اس طرح کی کہ دشمن بلندی سے انہیں دیکھ سکے اور ایک کے پانچ سمجھے۔

میجر اشتیاق احمد راجہ چک پترا کے پہاڑ کے سامنے ایک اور پہاڑ پر مورچہ بند تھے جس کی بلندی ساڑھے آٹھ ہزار فٹ ہے انہیں ایک گشتی پارٹی بھیجنے کا حکم دیا گیا اور ایک پہاڑ پر میجر خیرات حسین تمغہ جرأت کی پوزیشن تھی۔ان سے کہا گیا کہ دشمن پر فائر کریں تاکہ دشمن کی توجہ ہٹ جائے۔

رات آٹھ بجے چک پترا پر حملہ کرنے والے دستوں نے پیش قدمی شروع کی۔

چک پترا کے دامن سے چوٹی ساڑھے چار ہزار فٹ بلند ہے اور اس کی چوٹی کی لمبائی دو میل سے زیادہ ہے اس کی چڑھائی تقریباً عمودی ہے۔سیدھی چٹانیں حائل ہیں۔ اس پہاڑ پر چڑھنا اس لئے بھی مشکل ہے کہ اس پہاڑ کی اس سمت درخت بہت ہی کم ہیں کچھ جھاڑیاں ہیں وہ بھی چھوٹی چھوٹی اور دور دور۔

کرنل حق نواز کیانی اور توپخانے کے بیٹری کمانڈر میجر غلام احمد چک پترا پہاڑ سے ذرا پیچھے ایک پہاڑی چانیاں رج پر چلے گئے تھے۔یہ ان کی کمانڈ پوسٹ تھی۔ان کا ملاپ حملہ آور دستوں اور توپ خانے سے تھا اور وہ اس ایکشن کو کنٹرول کر رہے تھے وہ ایسی جگہ

تھے جہاں سے انہیں چک پترا اور اس کے دائیں بائیں کی چٹانیں نظر آتی تھیں۔

حملہ خاموشی سے کرنا تھا تاکہ دشمن کو بے خبری میں جا لیا جائے۔ میجر صابر خان کی کمان میں حملہ آور دستے چک پترا کے دامن تک جا پہنچے۔ خاموشی کو برقرار رکھا گیا تھا جس کا ثبوت یہ تھا کہ دشمن نے کسی طرف کوئی حرکت نہیں کی۔ جوان بکھر کر پہاڑ پہ چڑھنے لگے چڑھائی سیدھی تھی وہ جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر پیٹ کے بل رینگ رینگ کے۔ ایک ایک انچ اوپر چڑھنے لگے ہر انچ پہ بارودی سرنگ پھٹنے کا خطرہ تھا اور تیز بھی چڑھنا تھا اور خاموشی بھی برقرار رکھنی تھی۔ جوان رائفلوں۔ اسٹین گنوں اور مشین گنوں کو اس احتیاط سے اپنے جسموں سے لگائے ہوئے تھے کہ وہ پتھروں سے ٹکرا کر آواز پیدا نہ کریں جوان ایک ہزار فٹ کی بلندی چڑھے ہوں گے کہ ۸۰ جوان لاپتہ ہو گئے۔ ان کے بھٹک جانے کی وجہ سے حملے کے پلان میں کچھ تبدیلی کرنا پڑی اور کچھ قیمتی وقت بھی ضائع ہو گیا لیکن کرنل حق نواز کیانی کی ہدایت پہ حملہ جاری رکھا گیا۔ البتہ لاپتہ سکاؤٹس کی جگہ لینے کے لئے چک پترا پہاڑ کی ایک قریبی پوسٹ ۹ ہزار فٹ بلند پہ متعین میجر جمشید گلزار کی کمپنی سے مزید دو پلاٹوں سے نیچے اتر کر حملہ آور دستوں میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا۔ ان دستوں کو تین ہزار فٹ نیچے اتر کر بغیر دم لئے ساڑھے چار ہزار فٹ اوپر چڑھنا تھا۔

مجاہد چک پترا پہ چڑھ نہیں رہے تھے بلکہ رینگ رہے تھے جب وہ دو ہزار فٹ تک پہنچے تو عمودی چٹانوں نے ان کا استقبال کیا جوان ہمت کر کے ان پہ کوہ پیماؤں کی طرح چڑھنے لگے۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا۔ صبح سے پہلے چوٹی پہ چڑھنا تھا۔ ڈھلان کی دشواریوں کے ساتھ آکسیجن کی کمی نے چڑھنا اور دشوار کر دیا تھا۔ ابھی تک کوئی بارودی سرنگ نہیں پھٹی تھی۔ حالانکہ جوان مائن فیلڈ میں سے گزر رہے تھے اس مہم میں شریک میجر یار افضل آفریدی نے ہمیں بتایا کہ اس ڈھلان

میں دشمن نے بارودی سرنگوں کا جال بچھایا ہوا تھا لیکن وہ جو کرنل کیانی شہید نے کہا ہوا تھا کہ تم مائن فیلڈ سے گزر جاؤ گے انشاء اللہ کوئی مائن نہیں پھٹے گی۔ رات کی اس تاریکی میں اتنی تگ و دو کرنے کے باوجود واقعی کوئی سرنگ نہیں پھٹی۔ آخر کار نور کے تڑکے میں چوٹی نظر آنے لگی جو جوان رات کے آٹھ بجے روانہ ہوئے تھے سحر کے ساڑھے تین بجے اپنے نشانے سے قریب ہوئے لیکن اب بھی دو سو گز آگے جانا تھا۔ ان کے جسم شل ہو چکے تھے بس وہ اپنے حوصلے سے آگے بڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک جوان کے پھسلنے سے ہتھیار پتھروں سے ٹکرائے ایک چھناکا ہوا۔ دشمن کا اگلا مورچہ قریب ہی تھا۔ اس مورچے کی مشین گن نے پہلا فائر کیا تو آس پاس کی مورچوں کی گنوں نے بھی اپنا فائر کھول دیا۔ ہمارے جوان دشمن کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس لئے گنر مجاہدوں کی متوقع موجودگی کی طرف اپنی گنوں کی نالیاں گھما گھما کر فائر کر رہے تھے۔ اس سوئپنگ فائر سے ہر طرف گولیاں برس رہی تھیں۔ ساتھ ہی دشمن کے توپخانے نے گولہ باری شروع کر دی۔ توپ کے گولے ان ڈھلانوں پہ پڑ رہے تھے جہاں ہمارے جانباز پوزیشن لئے دشمن کے بنکروں کی طرف رینگ رینگ کر اوپر چڑھ رہے تھے۔ عجیب قیامت کا سماں تھا۔ ہر طرف گولے چل رہے تھے اور ان کے پھٹنے سے دیودار کے درخت ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور ان میں آگ لگ رہی تھی۔ اس آتش نمرود میں بھی پاکستان کے یہ جیالے، یہ جانباز آگے بڑھتے رہے۔ میجر یار افضل آفریدی نے منصوبے کے مطابق اپنے جوان ساتھ لے کر پہاڑ کی اس طرف والی ڈھلان پہ اپنی پوزیشن سنبھال لی جس طرف سے دشمن کو نیچے سے کمک بھیجی جا سکتی تھی میجر آفریدی نے کمک کا راستہ سربمہر کر دیا۔

میجر محمد صابر خان حملے کی قیادت کر رہے تھے۔ انہوں نے چارج کا حکم دے دیا اور پاکستانی مجاہد شاہینوں کی طرح درختوں کی اوٹ میں اپنے دشمن پہ جھپٹ رہے ابھی سحر کی

تاریکی تھی. مشین گن کے فائر کے شرارے دشمن کی پوزیشنوں کی نشاندہی کر رہے تھے جب
جوان اور آگے گئے تو دشمن نے ان پر گرینیڈ پھینکنے شروع کر دیئے. ہمارے جوانوں
نے درختوں کی آڑ لے کر راکٹ لانچر کا فائر کھول دیا اور گرینیڈ بھی پھینکنے لگے. اب جو
معرکہ لڑا جا رہا تھا وہ ذاتی شجاعت کا معرکہ تھا. ہر ایک جوان اپنی اپنی جنگ لڑ رہا تھا. مجاہد
شہید اور زخمی ہو رہے تھے لیکن حملے کی شدت میں کمی نہیں آتی تھی. اپنا توپ خانہ بھی برسرِکار
تھا. ہمارے جوان بنکروں کے قریب جا جا کر اندر گرینیڈ پھینک رہے تھے اور راکٹ لانچر
اپنا کام کر رہے تھے دراکٹ لانچر ٹینک شکن ہے یہاں اسے بھی استعمال کیا گیا، پاکستانی مجاہدوں
کی بے جگری نے دشمن پر دہشت طاری کر دی اور نمبر ۹ سکھ رجمنٹ کے سورما میدان چھوڑ
کر پسپا ہونے لگے جو سامنے تھے ان کا قلع قمع کر دیا گیا. جو پہاڑ کی دوسری طرف ڈھلان سے
بھاگے وہ اپنی سرنگوں میں ڈھیر ہو گئے. ساڑھے چار بجے تک چک پترا کی دو اڑھائی میل لمبی
چوٹی کا پہلا حصہ لے لیا گیا. یہ پلان کا پہلا مرحلہ تھا.

اب معرکے کا دوسرا حصہ شروع ہوا جو پہلے مرحلے سے دشوار تر تھا اپنی نفری شہیدوں
اور زخمیوں کی وجہ سے کم ہو گئی تھی جو مجاہد بچے تھے وہ حد درجہ تھک چکے تھے لیکن اس کے
باوجود وہ عقابوں کی جھپٹ رہے تھے اور شیروں کی طرح حملہ کر رہے تھے وہ عام انسان
نہیں رہے تھے وہ ایک غیر مرئی قوت کے سہارے غیر معمولی قوت و جرأت کا مظاہرہ کر رہے
تھے حق نواز نے ان کے اندر ایک نئی روح پھونک دی تھی. آگے پہاڑ کی چوٹی اور بلندی
تھی یعنی آگے ٹیکری تھی اس میں بنی ہوئی پوزیشنیں بنکروں کی طرح مضبوط تھیں. سامنے بارودی
سرنگیں بچھی ہوئی تھیں ان کے پیچھے خاردار تار تھا. بظاہر ان رکاوٹوں کو عبور کرنا محال تھا
لیکن ہمارے مجاہدوں نے اس محال کو ممکن کر دکھایا. اب دن کی روشنی پھیلنے لگی تھی دونوں
طرف سے شدید گولہ باری ہو رہی تھی دشمن کے جو مورچے بہت مضبوط تھے. ان پر راکٹ

لانچر فائر کئے گئے اور گرنیڈ بھی پھینکے گئے۔اس مرحلے میں ارض پاک کے شاہینوں اور مجاہدوں نے غیر معمولی شجاعت کا ثبوت دیا۔مشین گنوں کا برسٹ کھاتے رہے لیکن مورچوں کو تباہ کر کے چھوڑا۔شہیدوں اور زخمیوں کی تعداد بڑھتی گئی لیکن جو جوان اور افسر بچے تھے وہ آخری سانس اور آخری گولی تک لڑنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے جن لوگوں نے ان کو لڑتے دیکھا وہ کہتے ہیں کہ پاک وطن کے جیالے انسان نہیں جن نظر آتے تھے۔

ساڑھے چھ بجے یہ دوسرا مرحلہ بھی سر ہو گیا چک پترا کی پوسٹیں اب پاک فوج کے جوانوں کے قبضے میں تھیں ۹ سکھ رجمنٹ نیست و نابود ہو چکی تھی۔دشمن کی لاشیں چاروں طرف بکھری پڑی تھیں۔کرنل چنگیاپا اور اس کے اعلیٰ افسروں کا غرور خاک میں مل چکا تھا۔

لیکن اس معرکے کا آخری منظر میں قدرت کو کچھ اور دکھانا تھا۔اس معرکے کے ہیرو اور کمانڈر اعلیٰ کرنل حق نواز کیانیاں رنج چٹان کی کمانڈ پوزیشن سے اس آپریشن کی رہنمائی کر رہے تھے اور توپخانے کے میجر غلام احمد کے تعاون سے ضروری فائر کور دے رہے تھے جب انہیں چک پترا کی چوٹی سے وائرلیس پر مشن پورا ہونے کی خبر ملی تو وہ سجدہ شکر بجالائے اور اپنی پارٹی کے ساتھ پوزیشن سے باہر آ گئے اور کھلے میں آکر صورت حال کا جائزہ لینے لگے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے توپ خانے کے او پی نے انہیں دیکھ لیا چند لمحے بعد میڈیم گن کا ایک بھاری گولہ ان کے درمیان آکے پھٹا جس سے کرنل نواز کیانی اور ان کے چند اور ساتھی شہید ہو گئے۔

شہادت کے وقت کرنل کیانی کے سر پہ کفن بندھا ہوا تھا اور کفن میں وہ خوشبو اب بھی لبی تھی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لگائی تھی۔یوں اللہ کا جانثار بندہ معطر کفن میں اللہ کے حضور حاضر ہو گیا۔شہادت کی اسے مدتوں سے آرزو تھی۔اللہ نے اسے اس سعادت خاص سے نوازا۔

لیپا ویلی معرکے کے یہ روئداد مشہور جنگی وقائع نگار عنایت اللہ کی ترتیب دی ہوئی ہے جو انہوں نے معرکے کے بعد لیپا جا کر وہاں پہ موجود افسروں اور جوانوں کے بیانات سے مرتب کی ہے۔ خوش قسمتی سے اس معرکے کے ایک مجاہد اور غازی میجر یار افضل آفریدی (جو ملٹری کالج کے اولڈ بوائے بھی ہیں) سے رابطہ قائم کرنے میں کامیابی ہوئی۔ ہم نے میجر یار افضل سے کہا کہ وہ لیپا ویلی ایکشن کا آنکھوں دیکھا حال ہمیں لکھ کر بھیجیں۔ یار افضل کا یہ جواب آیا۔

دسمبر ۷۱ء میں، ٹوچی اسکاؤٹس کی ایک کمپنی کہیاں نامی چٹان پہ تعینات تھی۔ جب جنگ چھڑی تو دشمن نے اس کمپنی کی پوزیشن کو مکمل طور پہ گھیرے میں لے لیا اور پوائنٹ ۱۰۰۴۶ کی چوکی اور چک پترا پہاڑی پہ بھی قبضہ کر لیا۔ فائر بندی کا اعلان ہونے کے بعد دشمن پہاڑیوں کے دامن تک نیچے اتر آیا اور اپنی کمپنی کی پوزیشن اس طرح گھیرے میں آ گئی۔

دشمن نے کمپنی کی سپلائی لائن کاٹ دی۔ یہ حرکت انہوں نے فائر بندی کے اعلان کے بعد کی جو سراسر غلط اور ناجائز بات تھی۔ دشمن کو تنبیہہ کی گئی کہ اسنے فائر بندی کی خلاف ورزی کی ہے لیکن دشمن نے یہ ماننے سے انکار کر دیا بلکہ الٹا یہ دعوےٰ کر دیا کہ یہ پوزیشن تو فائر بندی کے وقت اس کے قبضے میں تھی۔ اپریل ۷۲ء میں لیپا ویلی میں تعینات ٹوچی اسکاؤٹس کے ایک اور ونگ نے لی جس کی کمان میجر یار افضل آفریدی کر رہے تھے گھیری ہوئی کمپنی کے سپاہی بھی رات کی تاریکی میں تبدیل ہو گئے۔ اس کمپنی کے نئے کمانڈر ایف ایف رجمنٹ کے کیپٹن جاوید انور ستارہ جرات تھے۔ اپریل ۱۹۷۲ء میں دشمن نے گھری ہوئی کمپنی اور ونگ ہیڈ کوارٹر کے درمیان مواصلاتی رشتہ درہم برہم کر دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ گھیری ہوئی کمپنی کو ہر قسم کی سپلائی بند کر دی۔ ہندوستانیوں کی دلیل یہ تھی کہ پاکستانی فوج نے لیپا اور داتا پہاڑی کے درمیان ایک چوکی پہ قبضہ کر لیا ہے اس مسئلہ پہ دونوں

کمانڈروں میں مذاکرات شروع ہوئے۔ پاکستانی فوج کی نمائندگی لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی ایس جے اور میجر یار افضل افریدی کر رہے تھے۔ ہندوستان کی طرف سے لیفٹیننٹ کرنل چنگیا یا اور میجر بالورام شریک گفتگو تھے۔ یکم مئی ۱۹۷۲ء کو مذاکرات تعطل کا شکار ہو گئے اور کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکا۔ ہندوستانیوں نے اسکاؤٹس کے کمپنی کمانڈر کے واسطے سے پیغام بھیجا کہ ۲ مئی ۱۹۷۲ء کو مذاکرات کا ایک اور دور ہونا چاہیئے چونکہ کوئی تجاویز نہیں پیش کی گئیں تھیں اور پاکستانی تجاویز حتمی تھیں اس لئے مذاکرات کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس کے بعد ہندوستانیوں کا ایک اور پیغام آیا کہ وہ ۳ مئی کو علاقے کے پاکستانی کمانڈر کو اطلاع دیں گے کہ سپلائی کا راستہ کھولنے نہ کھولنے کے بارے میں ان کا فیصلہ کیا ہے۔ مقررہ وقت اور جگہ پر ہندوستانیوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ نہ صرف یہ بلکہ نہایت عیاری سے انہوں نے ۳ اور ۴ مئی کی درمیانی شب کو ۱۱ بج کر ۴ منٹ پر اسکاؤٹس کمپنی پر تین طرف سے حملہ کر دیا۔ اس حملے کو کامیابی سے پسپا کر دیا گیا۔ پونے تین بجے رات کو ہندوستانیوں نے دوسرا حملہ کیا جس کو اسکاؤٹس کی کمپنی اور ۹۔ اے کے رجمنٹ کی نمبر ۱ پلاٹون نے بڑی پامردی سے پسپا کر دیا۔ تیسرا اور آخری ہندوستانی حملہ ساڑھے چار بجے شروع ہوا۔ اسے بھی کامیابی سے الٹ دیا گیا۔ ہندوستانیوں کا شدید جانی نقصان ہوا۔ اس جھڑپ میں پانچ پاکستانی شہید اور تین زخمی ہوئے۔ ایک قیدی بنا لیا گیا تھا جس کو ہندوستانیوں نے بعد کو بے رحمی سے شہید کر دیا۔

لیپا ویلی کا معرکہ

۴ مئی ۷۲ء کو لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی ستارہ جرات نے اسکاؤٹس کے ونگ کمانڈر میجر یار افضل آفریدی اور میجر صابر حسین ستارہ جرات (شہید) کو اپنی کمانڈ پوسٹ

میں سیکٹر کے لئے واقعات پر غور کرنے کے لئے بلایا۔ اس موقع پہ بیٹری کمانڈر میجر غلام محمد شہید بھی موجود تھے۔ اس میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ چک پترہ پہاڑی پر ہر قیمت پر قبضہ کیا جائے تاکہ اپنی گھری ہوئی کمپنی پہ سے دباؤ کم ہو جائے اور مواصلاتی نظام بھی بغیر مزید رکاوٹ کے بحال ہو جائے۔ لیفٹیننٹ جنرل مجید ملک نے بھی اس علاقہ کا معائنہ کیا اور ریکی کے مقاصد کے لئے اپنا ہیلی کاپٹر استعمال کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ اس ریکی کے بعد لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی نے دوسرے دو افسروں کے سامنے حملے کے منصوبہ پہ جنرل مجید سے صلاح مشورہ کیا۔ جنرل مجید نے منصوبے کی منظوری دے دی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس حملے کے لئے ٹروپ کہاں سے آئیں۔ چک پترہ چوکی پر دو ہندوستانی کمپنیاں موجود تھیں اس لئے مجبوراً یہ فیصلہ کیا گیا کہ کم نفری کی دو کمپنیوں ہی سے حملہ کیا جائے۔ اے کے رجمنٹ کی کمپنی جس کی کمان میجر صابر حسین شہید ستارہ جرأت کر رہے تھے۔ اس میں کل ۸۲ آدمی تھے اور میجر یار افضل کی زیر کمان ٹوچی اسکاؤٹس کی کمپنی کل ۸۵ افراد پر مشتمل تھی۔

کرنل حق نواز کیانی نے سب کو جمع کیا اور انتہائی جوش و خروش سے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ یہ کوئی معمولی تقریر نہیں تھی۔ اس لفظ لفظ میں آگ بھری ہوئی تھی، ہر لفظ کرنل کے دل کی انتہائی گہرائیوں سے نکل رہا تھا۔ ہر شخص انتہائی متاثر ہوا۔ لیکچر کے بعد ہر شخص کا چہرہ جوش و جذبے سے بھرا ہوا تھا اور صاف نظر آ رہا تھا کہ اب یہ مجاہد کوئی غیر معمولی کارنامہ کر کے ہی دکھائیں گے۔

اب ایکشن شروع ہوا پہلے مرحلے میں کچھ ٹروپس کو حملے کی مقررہ جگہ سے الٹی طرف بھیجا گیا اور ایک خفیہ راستے سے وہ دستے اسی جگہ واپس آجاتے۔ یہ عمل تین چار بار دہرایا گیا۔ منصوبہ کرنل حق نواز کیانی ستارہ جرأت کا بنایا ہوا تھا۔ اس فوجی چال سے

دشمن دھوکہ کھا گیا ورنہ غیر متوقع حملہ کرنے کا مقصد پورا نہ ہو سکتا۔

۴ مئی کی رات ساڑھے گیارہ بجے دستے اپنی منزل یعنی چک پترا اور سہرن والی بیکھ کی طرف حرکت کرنے لگے۔ یہ دستے ایف یو پی (مجتمع ہونے کی جگہ) پر ۵ مئی کی صبح چار بجے پہنچ گئے۔ ساڑھے چار بجے حملہ شروع ہوا۔ حملہ اتنا جرأت مندانہ اور سخت تھا کہ ۳۰ منٹ کے اندر اندر مقصد حاصل کر لیا گیا۔ ہندوستانیوں کا شدید نقصان ہوا لیکن صرف دس پاکستانی شہید ہوئے اور تین زخمی۔ گویا پاکستانی فوجی بارودی سرنگوں سے بھی گزرے لیکن یہ نتیجہ کرنل حق نواز کی منصوبہ بندی اور دعاؤں کا تھا کہ کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔

آپریشن شروع کرنے سے پہلے کرنل حق نواز ستارہ جرأت نے کہا تھا۔

میرے پیارے بیٹو! آج دشمن کو بتا دو کہ مسلمان قوم شکست کے نام سے ناواقف ہے اور آج بھی جب وہ جذبہ اسلام سے سرشار ہو کر لڑتا ہے تو پہاڑ بھی اس کے سامنے زمین بوس ہو جاتا ہے۔ جاؤ میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ جب تم مائن فیلڈ سے گزرو گے تو اسے بھی تم اپنا دوست پاؤ گے۔ ہندو نہ تم کو دیکھ سکیں گے اور نہ تمہاری آواز سن سکیں گے۔

اب بظاہر ناممکن نظر آتا ہے لیکن نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔ بالکل صحیح ہے اس میں مجھے ذرا برابر شک نہیں۔ میں نے ایسا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ناممکن میرے سامنے ممکن ہوا۔ جو کچھ انہوں نے سچے دل سے پکے یقین کے ساتھ کہا تھا۔ بعینہٖ وہی ہوا۔ میں اس وقت بھی حیران ہوا تھا اور آج بھی حیران ہوں میں سمجھتا ہوں۔ حق نواز غیر معمولی روحانی قوتوں کے حامل بھی تھے۔ یا کم از کم ان کا ایمان ضرور صادق تھا۔

۵ رمئی کی صبح سات بجے دشمن نے جوابی حملہ کیا لیکن اسلام کے بہادر سپاہیوں نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے۔ سات بجے کرنل حق نواز نے اپنے دستوں کو وائرلیس پہ بتایا کہ وہ اگلے مورچوں پہ ان سے آکے مل رہے ہیں چونکہ ۵ رمئی کو جمعے کا دن تھا۔ انہوں نے جوانوں کو بتایا کہ فتح کی ہوئی چوکی پہ جمعے کی نماز وہ خود پڑھائیں گے لیکن ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی کہ چند منٹ بعد ایک گولہ ٹھیک اس جگہ آکے گرا جہاں وہ کھڑے تھے اور دیکھتے دیکھتے وہ شہید ہو گئے۔ اس وقت سات بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔

کرنل حق نواز کی شہادت کی خبر مجاہدوں پہ بجلی بن کر گری لیکن شہید کے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لئے وہ بپھرے ہوئے شیروں کی طرح دشمن پہ جھپٹ پڑے اس کے بعد دشمن ہر مورچے سے فرار ہونے لگا۔ ۶ رمئی کو اسکاؤٹس کی کمپنی کا سپلائی راستہ کھول دیا گیا۔ پھر لیپا سیکٹر پہ پاکستانی فوج کی پوزیشن مستحکم ہو گئی۔

لیپا ویلی کے معرکے سے پوری آرمی کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ پوری قوم نے اس پہ فخر کا اظہار کیا۔ ہندوستان میں ۹۳ ہزار اسیران جنگ کے سر فخر سے اونچے ہو گئے۔

دوسرا ستارۂ جرأت

لیپا آپریشن کی کامیاب قیادت اور جرأت اور جذبہ سرفروشی کے لئے حق نواز شہید کو دوسری بار ستارۂ جرأت دیا گیا۔"

حق نواز درویش صفت انسان تھے ایمان میں وہ حق الیقین کے درجے تک پہنچے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز

حق نواز کیانی کے آخری لمحوں کی روئیداد

راج محمد مجاہد ۱۹۶۵ء سے کرنل حق نواز کیانی کے ساتھ جان و دل سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ زندگی کے آخری لمحوں میں بھی یہ ان کی خدمت میں حاضر تھے، راج محمد کا انٹرویو تھوڑی سی لفظی تبدیلی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

سوال : آپ کو کرنل کیانی کے آخری لمحوں کی تفصیلات یاد ہیں؟

جواب : ایک ایک حرف دل پر نقش ہے۔

سوال : ۴ مئی ۱۹۷۲ء کی صبح سے دوسری صبح تک کے واقعات کی تفصیلات بتائیے۔

جواب : ۴ مئی ۱۹۷۲ء کو دن کے دس بجے سب لوگوں کو کبر کوٹ کیمپ میں جمع کیا جن میں سب افسر اور مجاہد شامل تھے۔ کرنل صاحب نے کفن باندھ کر بہت جوش کی باتیں کیں۔ ہندو نے ہمیں للکارا ہے، پاکستان کی عزت و غیرت کو للکارا ہے، اس کا جواب ہم ضرور دیں گے۔ آپ سب دعا کریں کہ خدا ہمیں قربانی دینے کی ہمت دے، اور ہماری قربانی قبول کر لے، پھر جوانوں سے کہا، آپ جو کس رہیں اور چار بجے شام تک تیار ہو جائیں یہ کہہ کر جوانوں کو رخصت کر دیا اور افسروں کے میس کی طرف چلے گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیجا کہ راج محمد مجاہد کو بلا لاؤ۔ میں گیا تو صوبیدار میجر شیر اعظم خان اور دوسرے افسروں کی موجودگی میں کہا۔ اللہ تعالیٰ سے میں نے کل تک مہلت مانگی ہے پوسٹ کو آزاد کرانے تک کی۔ انشاء اللہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ پھر مجھے گلے لگایا مصافحہ کیا اور کہا میں تم سے بہت خوش ہوں۔ پھر سب افسروں سے کہا کہ اس مجاہد نے پاکستان کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑا اور بہت قربانیاں دی ہیں۔ یہ لڑکا ۱۹۶۵ء سے میرے ساتھ ہے اور بڑی

خدمت کی ہے۔ اب میرا وقت ختم ہو رہا ہے۔ مجھے کل تک کی مہلت ملی ہے۔ میرے بعد آپ لوگ اس کی دیکھ بھال کریں۔ یہ سن کر صوبیدار میجر شیر اعظم خان نے کہا سر یہ آپ نے کیسے کہا کہ میری کل تک کی زندگی ہے' موت زندگی تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کرنل صاحب نے جواب دیا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے بیربازی پوسٹ کو آزاد کرانا ہے اور شہید ہو جانا ہے۔ بس مجھے اس بھارتی کرنیل کو اس کی گستاخی کا مزہ چکھانا ہے آپ کو معلوم ہے کہ کل اس نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا تھا میں جیسور سیکٹر سے لڑ کر آیا ہوں اور تمہارے جرنیلوں کو قید کیا ہے۔ تم کیا چیز ہو' ایک یونٹ کے ریٹائر کرنل" یہ پاکستان کی عزت کا معاملہ ہے اس بے عزتی کا بدلہ ضرور لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔

یہ ایک بجے دن کی بات ہے اس کے بعد کرنل صاحب نماز پڑھنے چلے گئے میس کے قریب کمانی پوسٹ تھی۔ اس کے قریب چھوٹی سی مسجد پتھروں سے بنا رکھی تھی۔ کرنیل صاحب نے مسجد کی دیوار کے ساتھ چند پتھر اٹھا کے رکھے اور کہا یہ ظہر کی آخری نماز ہے۔

کرنیل صاحب نے شام تک عام جوانوں کو نہیں بتایا تھا کہ کیا کرنا ہے۔ سات بجے شام کے قریب کرنل صاحب نے صوبیدار میجر شیر اعظم کو بلایا اور سات آدمیوں کو ریکی کے لئے بھیجا۔ ۲۔ چک پترا پہاڑی پر۔ ۳۔ کنان پر ایک گیرڈ دری پر مجھے (راج محمد) اور مصری خان کو چک پترا بھیجا۔ ہم نے چک پترا کے کچھ فاصلے پر دو آدمی دیکھے جو ادھر سے ریکی کرتے آئے تھے ان میں ایک کشمیری طیب شاہ تھا اس کو ہم نے پکڑ کر باندھ دیا دوسرا سکھ نائیک جوگندر سنگھ تھا وائرلیس مین۔ اس نے مقابلہ کیا۔ مٹھی بند کر کے کہنے لگا کہ یہ ہاتھ اونچا ہی رہے گا' مصری خان نے فائر کیا اس کی آنکھ میں چھرا لگا گر پڑا لیکن بڑی مشکل سے قابو آیا۔ ہم نے اس کو قید کر لیا اس سے بعد میں بہت مفید خفیہ معلومات حاصل ہوئیں ہم دونوں کو کھینچ کر اپنے ہیڈکوارٹر تک لے گئے تھے کوئی نو بجے تھے رات کے۔

ہمارے آدمی حملے کے لئے روانہ ہو گئے تھے کرنل صاحب کمان پوسٹ جو چانیان پہاڑی پر تھی چلے گئے ان کے ساتھ توپ خانے کے اوپی میجر غلام احمد تھے اور سگنل کا ایک حوالدار بھی موجود تھا۔ میں چانیاں پوسٹ پر کرنل صاحب کے پاس پہنچا۔ انہوں نے پوچھا تو میں نے اپنی ریکی کے شکار کا حال ان کو بتایا۔ کرنیل صاحب نے کہا دو گھنٹے آرام کرلیں۔ کچھ دیر بعد پھر آپ کو ایک اہم مشن پر بھیجنا ہے۔ میں گیارہ بجے کرنل صاحب کے سامنے حاضر ہو گیا کہنے لگے۔ اب یہیں رہیں میرا وقت تھوڑا ہے اس وقت کچھ میجر صابر صاحب سے وائرلیس پر بات ہوئی۔ انہوں نے کہا اب گولے ٹھیک آ رہے ہیں' میجر غلام محمد نے کہا آپ جگہ بتائیں ہم انچ اور فٹ کے حساب سے گولے گرا سکتے ہیں کرنل صاحب نے میجر صاحب سے جو حملے کی کمان کر رہے تھے کہا آپ جوانوں کو آگے بڑھنے دیں انشاءاللہ ان پر کوئی بارودی سرنگ کام نہیں کرے گی۔

صبح ہوتے ہوتے چک پترا فتح ہو گیا تو کرنیل صاحب نے شکر ادا کیا اور کہا اب میرا کام اور وقت ختم ہو گیا (بعد کو پتہ چلا کہ دشمن کا کمپنی کمانڈر بالی رام تو وہیں ہلاک ہو گیا تھا اور وہ گستاخ کرنل جو شدید زخمی ہو گیا تھا وہ نوگام جا کر ختم ہو گیا)

شہادت

چک پترا کی فتح کے بعد دشمن کی گولہ باری میں شدید اضافہ ہو گیا ہر طرف سے خاص طور سے ٹیٹوال کی طرف سے بڑے بھاری گولے آ رہے تھے اور چانینیان پہاڑی کے آس پاس گر رہے تھے۔ اب کرنل صاحب نے مجھ سے کہا مجاہد' وضو کے لئے پانی لاؤ' وضو کرنے کے بعد نماز پڑھی۔ بنکر سے باہر ایک لکڑی کا تختہ سا تھا اس کو جائے نماز بنایا ہوا تھا۔ نماز کے بعد پھر پانی پینے کے لئے مانگا۔ انہوں نے پانی پیا پھر کہا راج محمد' جائے پی کر واپس آجائیں پھر مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں میں جلد واپس آگیا میں نے کہا حکم' ہماری باتیں میجر غلام محمد سن رہے تھے۔ انہوں نے کہا کرنل صاحب آپ کو اس مجاہد سے بہت محبت

ہے یہی وہ آدمی ہے جس کے بارے میں مجھے آپ نے بتایا تھا۔ کرنیل صاحب نے کہا ہاں ۶۵ سے یہ میرے ساتھ ہے اس نے بڑی قربانی دی ہے پھر مجھ سے کہا بیٹے۔ جب گھر جاؤ تو بتلانا گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ مالک ہے میں نے کہا۔ جب بھی جاؤں آپ ہی سے چھٹی لے کر جاؤں گا۔ اس پر انہوں نے کہا اب چھٹی کا مسئلہ ختم ہے یہ آخری الفاظ ہیں۔ کرنیل صاحب دوربین لے کر باہر نکلے تو میجر غلام محمد صاحب نے کہا آپ باہر نہ جائیں ہم دشمن کی زد میں ہیں اس پر کرنیل صاحب نے کہا میرے لئے جو گولہ بنا ہے میں کہیں ہوں اس نے وہیں آنا ہے تو میں کیوں نہ باہر جاؤں، آپ کی مرضی میجر صاحب نے کہا۔ کرنیل صاحب نے مجھ سے کہا مجاہد پانی لاؤ۔ جب تک میں پانی لایا تو ہٹ ہو چکے تھے۔ مجھ سے کہا مجاہد میرے یہاں (پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر) ٹکڑا لگا ہے مجھ سے کہا میجر صاحب کو دیکھو میں نے ان کو دیکھا وہ اور سگنل میں اندر ہی شہید ہو چکے تھے۔ ایک براہ راست بم لگا تھا، کرنیل صاحب بیٹھ کر ایک بار پھر کوشش کر کے کھڑے ہوئے پھر بیٹھ گئے گرم پانی پیا۔ پھر کھڑے نہ ہو سکے پھر کہنے لگے میرا وقت آگیا ہے۔ میں نے سب کو معاف کیا، سب مجھے معاف کریں۔ میری طرف سے ساری قوم کو سلام، پھر سیدھا ہاتھ سلام کے انداز میں اٹھایا، ماتھے تک لے گئے۔ بہت واضح الفاظ میں پاکستان پائندہ باد کہا اور پھر سر ڈھلک گیا۔

معرکۂ لیپا ویلی کی اہمیت

لیپا ویلی کا معرکہ سقوطِ ڈھاکہ اور مغربی محاذ پر ناکام جنگ بندی اور ہندوستان میں پاکستان کے ۹۳ ہزار جنگی قیدیوں کے پس منظر میں دیکھنا چاہیئے، اس وقت ساری قوم شکست کے بعد انتہائی تلخ احساس مایوسی کا شکار تھی گو سقوطِ مشرقی پاکستان کے اسباب بیشتر سیاسی تھے لیکن صرف شکست کے احساس سے خواہ اس کے اسباب کچھ بھی تھے فوج بھی بددلی اور افسردگی کا شکار تھی۔ سیاسی اور فوجی طور پر پاکستان کی ساکھ کم سے کم سطح پر تھی۔ لیپا ویلی کے کامیاب آپریشن

نے فوج کے حوصلہ اور وقار کو بلند کیا۔ قوم کا اعتماد فوج پر بحال ہوا، احساس مایوسی بڑی حد تک کم ہوا اور پاکستان کی ساکھ بھی بحال ہوگئی۔ پاکستان آخر پاکستان ہے۔ دوستوں نے ہی نہیں دشمنوں نے بھی کہا۔

اس معرکے کے پلان کو بریگیڈ کمانڈر بریگیڈیئر عطا محمد خان ملک اور ڈویژن کے جی او سی میجر جنرل عبدالمجید کی تائید حاصل تھی۔ اس کی تعمیل میں حق نواز کے افسروں اور ماتحتوں نے بھی جان لڑا دی۔ ان کا کارنامہ بھی کم نہیں ہے لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ اس معرکے کی روح رواں حق نواز کیانی تھے۔ ان ہی کی بیباک پُرعزم اور ذہین قیادت نے اس معرکے کو کامیابی سے ہمکنار کیا اس معرکے کے اصل ہیرو وہی تھے قوم اور فوج ایسے ہیرو پر جتنا فخر کرے اور ان کی جتنی عزت کرے کم ہے۔

تجہیز و تکفین

حق نواز کیانی کی شہادت ۵ مئی کی صبح سات بجے ہوئی تھی۔ اس وقت لڑائی جاری تھی۔ دوسرے دن تابوت تیار کیا گیا، اب ایک مسئلہ یہ اٹھا کہ شہید کے جسدِ خاکی کو شہید کے گاؤں مونا کیسے پہنچایا جائے۔ پہنچانے میں دشواری یہ تھی مسئلہ تھا کہ شہید کے کشمیری عقیدتمند مصر تھے کہ ہم اپنے پیر و مرشد کو اپنے علاقے میں دفن کریں گے اور مقبرہ بنائیں گے۔ بہرحال انہیں سمجھا بجھا کر اور خاص تدبیروں کے ساتھ شہید کے جسدِ خاکی کو مونا پہنچایا گیا۔ شہید نے تار دیا تھی کہ میں بیٹی کی شادی کے سلسلے میں آؤنگا وہ آئے تو سہی مگر سر سے کفن باندھے ہوئے۔ شہید کو ان کے والد صوبیدار اللہ دتہ کے پہلو میں پورے اعزاز سے فوجی وردی میں دفن کیا گیا ایک چادر کفن ان کے ساتھ تھی دوسری آب زم زم کی کفنی ان کے پیر صاحب کے صاحبزادے لائے تھے، وہ تابوت میں ڈال دی۔ چونکہ والدہ کو کوئٹہ سے آنا تھا ان کے انتظار میں دفن کرکے

مُنہ کھلا رکھا گیا تھا' وہ تین دن کے بعد پہنچیں، منہ دیکھا جو میرے بیٹے میرے لال کہا اور اس کے بعد تابوت پر آخری تختہ لگا دیا گیا' شہادت کے تین دن بعد پورے طور پر دفن ہوئے گرمی کا موسم تھا' بدن پر لپیا دیلی کے گرم کپڑے بھی تھے لیکن میت ذرا خراب نہ ہوئی تھی چہرہ پُر رونق پُر سکون تھا' برسوں کی بیقراری کو قرار آگیا تھا۔

شہادت کی حسرت

شہادت کی آرزو حق نواز کے دل میں عشق کی حد تک تھی۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں شہادت کے لئے بے کل تھے اس وقت ان کے نائب کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل قاضی جاوید راوی ہیں کہ ان کے دستے میں سے جب کوئی جوان شہید ہوتا تو روتے تھے اللہ تو نے اس خوش نصیب کو شہادت کے لئے چُن لیا مجھے محروم رکھا' جون ۱۹۷۱ء میں پی ایم اے کے میس میں بریگیڈیر اسلم جنجوعہ سے کہا' ستارہ تو مل گیا' اپنا کام نہیں بنا' اپنے کام سے ان کی مراد اپنی شہادت تھی۔

ان کی بیگم کہتی ہیں کہ جب ستارۂ جرأت لیکر ریٹائر ہوئے تو بڑی حسرت سے کہنے لگے' غازی تو بنا لیکن شہادت نہیں ملی۔ ان کے خسر میجر یعقوب راوی ہیں کہ چھٹی پر آئے تو جادہ میں والدہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے جب اُن سے رُخصت ہونے لگے اور وہ سر پر ہاتھ پھیر کر گلے لگا چکیں تو چلتے چلتے ان کے آخری الفاظ یہ تھے، ماں شہادت کے لئے دعا کرنا۔

شہادت سے پہلے' شہادت کا احساس

شہادت کی آرزو تو انہیں برسوں سے تھی، لیکن دسمبر ۷۱ء میں جنگ پر جانے لگے تو

انہیں یقین سا تھا کہ اب کے وہ شہادت کی نعمت حاصل کر سکیں گے۔ اپنی زمین کے مزارعوں سے رُخصت ہوئے تو یہ کہہ کر رُخصت ہوئے کہ آپ لوگوں سے آخری مُلاقات ہے۔ گھر سے جاتے وقت بیوی بچوں سے اس طرح ٹوٹ کے ملے کہ جیسے اب پھر نہیں مِل سکیں گے۔ جادہ میں ماں کے قدموں کو چھُوا تو آخر میں یہی درخواست کی "بے جی میری شہادت کی دعا کرنا"۔ اپریل ۷۲ء میں چند روز کی چھٹی لی تاکہ زمین کے معاملوں کو سلجھاتے جائیں۔ پنڈی میں اپنے دوست میجر محمد سرور خان سے جس انداز سے باتیں کیں ان سے صاف ظاہر تھا کہ اب کے نگاہیں افق کے پار لگی ہیں لیکن ان کی حسین شہادت کا حتمی ثبوت خطوط ہیں انہوں نے شہادت سے تین روز پہلے یکم مئی ۷۲ء کے روز پاکٹ ڈائری میں سے پھاڑے ہوئے اوراق پر اپنی والدہ صاحبہ اپنے بیٹے اور اپنے بھائی کو لکھے تھے۔ انہوں نے اپنی والدہ کو لکھا۔

شہادت سے فوراً پہلے کے چند خطوط

۷۸۶
۹۲

لیپا ویلی۔ کرناہ

یکم مئی ۱۶ ربیع الاوّل

بخدمت جناب میرے قبلہ و کعبہ جناب والدہ صاحبہ السلام علیکم!

میری پیاری والدہ صاحبہ یہاں پر چند دنوں تک کچھ حالات کی خرابی کی وجہ سے جنگ ہونے والی ہے۔ ایسے حالات میں زندگی کا پتہ نہیں ہوتا ہم لوگوں نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کیا ہوا ہے، جیسے اس کی مرضی انشاءاللہ آخری دم تک کفار کا مقابلہ کریں گے۔ بے جی آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عزت سے زندہ رکھیں اور عزت سے ماریں۔ آمین ثم آمین۔ میری پیاری بے جی، اگر خداوند تعالیٰ نے اِس دفعہ قبول کر لیا تو آپ غم نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی منظور تھا' والدین کو اپنی اولاد کی جوانی (کی موت)

کا دکھ تو بہت ہوتا ہے لیکن اس میں کسی کا زور نہیں تو پھر شہادت خداوند تعالیٰ جس کو نصیب فرمائے، وہ تو بہت خوش قسمت ہوتا ہے۔

اصغر، خانوں اور جانو بھی تو آپ کے پیچھے ہیں انشاء اللہ سب آپ کے تابعدار ہیں قبلہ والدہ صاحبہ آپکی خدمت میں پھر عرض ہے کہ مجھ پر راضی رہیں میں انشاء اللہ اگلے جہان میں بھی تابعدار رہوں گا۔

نورِ چشم ...... حق نواز

اسی روز انہوں نے ایک خط انگریزی میں اپنے بیٹے اصغر نواز کیانی کو لکھا۔ اصغر ملٹری کالج میں پڑھتا تھا۔ اس نے فوج میں کمیشن کے لئے درخواست دے رکھی تھی۔ کرنل کیانی شہید نے اس خیال کے پیشِ نظر کہ ان کا بیٹا فوج میں جا رہا ہے، خط میں لکھا،

۷۸۶
۹۲

لیپا ویلی
یکم مئی ۱۹۷۲ء

میرے پیارے بیٹے! خدا ہر حال میں تمہارے ساتھ رہے!

تم سب سے جدا ہوتے وقت تمہاری کامیابی اور تمہارے خوش آئندہ مستقبل کے لئے دعاگو ہوں۔ افسر کی حیثیت سے اپنے آپ میں سخت محنت کی عادت ڈالو۔ اپنے فرائض کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دو اور اپنے جوانوں کو پوری توجہ دینا، ان سے پورے خلوص سے پیش آنا۔ اپنے جوانوں اور اپنے آپ کو بھی اپنی کمانڈ میں رکھنا، اللہ اور اسلام کے نام پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہنا۔ اپنے فن میں پوری تربیت حاصل کرنا، ہر زاویے اور رموز کو سمجھنا تاکہ تم ایک قابل افسر بن سکو۔ میرے بیٹے یاد رکھو کہ بہت جلدی تمہیں میری جگہ لینی ہے۔ میں تم سے ایسے وقت جدا ہو رہا ہوں جب تم ماشاءاللہ جوان ہو چکے ہو، جب تمہارے دادا جان فوت

ہوئے تھے تو میں بہت چھوٹا تھا۔ اپنی پیاری والدہ اور بہنوں اور بھائیوں کا خیال رکھنا اُن سے سختی نہ کرنا۔

خدا حافظ

تمہارا والد

اپنے پھوپھی زاد بھائی اور خسر کو بھی انہوں نے اسی روز خط لکھا یہ خط بھی انگریزی میں ہے

۷۸۶
۹۲

لیبیا ویلی
یکم مئی ۱۹۷۲ء

قبلہ بھائی صاحب! میں آپ کا بے حد مشکور ہوں کہ بڑھاپے کے باوجود میری اور میرے کنبے کی دیکھ بھال کرتے رہے، فرض تو میرا تھا کہ میں آپ کی دیکھ بھال کرتا۔ افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ میں خداوند عالی کے حضور سر جھکاتا ہوں جس نے مجھے شہادت کے لئے منتخب کر لیا ہے، میں چہرے پر مسکراہٹ لئے ہوئے رُخصت ہو رہا ہوں، میں اپنے پیچھے اپنے بچوں اور ان کے بچوں کے لئے ایک راستہ چھوڑ چلا ہوں تاکہ وُہ اس راستے پر میرے نقوشِ پا پر چلیں، اللہ میری اس خواہش کو قبول فرمائے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی رفیقۂ حیات عنایت کو زندگی کی پوری مسرتیں نہ دے سکا۔ اللہ اس کا حامی و ناصر ہے۔

یہ لگتا تو عجیب سا ہے لیکن آنے والے واقعات پہلے ہی اپنا سایہ ڈال دیتے ہیں

آپ کا بھائی

حق نواز

کرنل شہید نے اپنے بیٹے اور برادرِ بزرگ کے خطوط میں صاف لکھ دیا تھا کہ خدا نے

انھیں شہادت کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ یہ بھی ایک بشارت تھی جو انہیں قرآن سے حاصل ہوئی تھی۔ انہوں نے محترمہ والدہ صاحبہ کو تو ذرا سنبھل کر خط لکھا ہے لیکن بیٹے اور بھائی کو بتا دیا ہے کہ وہ ان سے رخصت ہو رہے ہیں۔ انگریزی میں خط لکھنے کی غالباً وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ کو پتہ نہ چل پائے کہ اُن کا بیٹا شہید ہو رہا ہے۔

اسی طرح کے خطوط انہوں نے بیگم عنائت حق نواز کو اپنے بھتیجے پروفیسر محمد موجود کیانی کو لکھے تھے۔ ان کی بیگم کہتی ہیں:-

" انہوں نے مجھے لکھا' عنایت! میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں اور رخصت ہوتے ہوئے شرمندہ ہوں کہ تا وقت امتحان میں ڈال کر جا رہا ہوں، لیکن فکر نہ کرنا۔ بچوں کا اور گھر بار کا اللہ مالک ہے۔ پھر کچھ باتیں بچوں کے بارے میں اور کچھ روپے پیسے کا حساب کتاب تھا۔ اپنے بھتیجے موجود کیانی سے بے تکلف تھے اور گھر کے اور بچوں کے بہت سے معاملات کی دیکھ بھال موجود کے ذمے کر رکھی تھی ان کے نام کے خط میں بھی انہوں نے وصیت نامے کا لب و لہجہ اختیار کیا۔

باب دوّم

شخصیت و کردار

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

اقبالؔ

شہید کا کردار اپنے گھر والوں کے تاثرات کی روشنی میں

حق نواز غیر معمولی کارنامے اس لئے انجام دے سکے چونکہ وہ غیر معمولی شخصیت و کردار کے مالک تھے، ان کے پیٹنے کے آدمی اس زمانے میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ ان کی زندگی کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ جب انسان کا قلب روشن ہوجائے تو وہ کتنا بدل جاتا ہے وہ زندگی اور موت کو ایک نئی نظر سے دیکھتا ہے، پھر کوئی کام اس کے لئے مشکل اور ناممکن نہیں رہتا۔ ایمان میں کتنی قوت ہوتی ہے وہ کس طرح انسان کو ناقابلِ تسخیر بنا دیتا ہے اس کا جیتا جاگتا ثبوت حق نواز کی زندگی اور اُن کی شہادت ہے۔

حق نواز کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ آخری زمانے میں اپنی شہادت کو کندھوں پر اٹھائے پھرتے تھے، یہ محض جنون نہ تھا یہ محض جذبہ نہ تھا، یہ ان کی پُرسوز جان کا کرشمہ تھا اور اسی چیز کی ہم سب کو، اس ملک کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

حق نواز کی شخصیت و کردار کے مطالعہ کے لئے ہم نے یہ جدید سائنسی طریقِ کار اختیار کیا کہ ان عزیزوں، دوستوں اور واقف کاروں سے انٹرویو کئے، اُن سے کہا کہ وہ بجائے اپنے تاثرات بیان کرنے کے ہمیں وہ واقعات بتائیں جن سے انہوں نے شہید کی شخصیت کے بارے میں وہ تاثرات اخذ کئے ہیں۔

اس طرح واقعاتی تاثرات سے شہید کی شخصیت کی تصویر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

گھر والوں سے زیادہ کسی کو کون جانتا ہے۔ کسی کا اچھا برا دنیا سے چھپ سکتا ہے والدین سے، بہن بھائیوں سے، بیوی بچوں سے نہیں چھپ سکتا اس لئے ہم سب سے پہلے شہید کے گھر والوں کے انٹرویو پیش کرتے ہیں۔

کیانی شہید کی والدہ ماجدہ کا انٹرویو

حق نواز شہید کی والدہ کی اب خاصی عمر ہو چکی ہے۔ ستر پچھتر کے پیٹے میں ہیں، لیکن عمر کے لحاظ سے صحت اب بھی اچھی ہے۔ زیادہ تر وقت مصلے پر گزرتا ہے، خوشحال ہیں اور بیشتر اپنے گاؤں مورنہ پنڈ میں رہتی ہیں۔ انہوں نے دو بڑے غم دیکھے ۱۹۴۰ء میں شوہر کا اور ۷۱ء میں اکلوتے بیٹے کی شہادت کا۔ انہوں نے صبر و شکر کے ساتھ دونوں غم برداشت کیے۔ اللہ کی نیک بندی ہیں، راضی بہ رضائے الٰہی۔ بیٹے کی شہادت پر انہیں بڑا مان ہے کہتی ہیں کہ میرا بیٹا سونے کا تھا۔ جب تک جیا بڑی آن بان سے جیا اور جب دنیا سے گیا تو بڑی شان سے گیا۔ شہادت کا اسے بڑا شوق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ آرزو پوری کر دی، کہا کرتا تھا "بے جی" مجھے شہید تو ہونے دو میں آخرت میں تمہاری خدمت کروں گا۔ مجھے یقین ہے وہ آخرت میں میرے کام آئے گا۔

اب ہم وہ انٹرویو نقل کرتے ہیں جو محمد آزاد بخت کیانی صاحب نے ان سے مورنہ پنڈ جا کر ہمارے لئے لیا۔

سوال : آخری ملاقات میں کیانی صاحب نے آپ سے کیا کہا ؟

جواب : وہ پہلی دفعہ جب میرے بیٹے کو دوبارہ فوج میں بلایا گیا تو ہم لوگ منگلا میں رہ رہے تھے، جدائی کے وقت میں میری بہو اور اس کے بچے رو دئے۔ دو تین دن کے بعد میرا بیٹا پھر آ گیا اور انہیں بتایا کہ اسے

لیپا وادی میں بھیجا جا رہا ہے۔ صبح نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے میری قدم بوسی کی ملاقات اور الوداع کے موقع پر میرا بیٹا، ہمیشہ میری قدم بوسی کیا کرتا تھا۔ قدم بوسی کے بعد میرے بیٹے نے کہا کہ "بے جی" اب کی دفعہ رونا نہیں، اس کا دل رکھنے کے لئے ہم نے اسے ہنستے ہوئے رخصت کیا لیکن دل پر ان جانے وسوسوں کا بوجھ تھا۔

سوال : شہادت کی خبر کب اور کہاں سنی اور آپ کے اس وقت تاثرات کیا تھے؟

جواب : بیٹے کی شہادت کے دنوں میں، میں کوئٹہ اپنی بیٹی کے پاس تھی، لیپا وادی میں حالات خراب ہونے کی خبر ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے ملتی رہتی تھی۔ اس وجہ سے دل انجانے وسوسوں میں گھرا رہتا تھا، ایک دن میری بیٹی نے بتلایا کہ میرا بیٹا جنگ میں زخمی ہو گیا ہے اور ہمیں گھر جانا ہے۔ اسی پریشانی میں "سبی" سے دو تین اسٹیشن گزرنے کے بعد مجھے اصلی خبر بتائی گئی کہ میرا بیٹا شہید ہو چکا ہے۔ اس کی لاش دشمن کے علاقے میں ہے۔ یہ خبر سن کر میری حالت وہی تھی جو ایک ماں کی ہوتی ہے۔ بیٹے کے اچانک بچھڑ جانے کا سخت غم اور صدمہ تھا لیکن ساتھ فخر بھی تھا کہ بیٹا اپنے دین اور ملک کے کام آگیا اور اس کی شہادت کی خواہش پوری ہو گئی۔ میری دلی دعا تھی کہ بیٹے کی لاش صحیح سالم مل جائے اور میں اس کا آخری دیدار اس کی وردی میں کر سکوں، جس کا اسے اپنے والد کی طرح بڑا مان تھا۔ گاؤں پہنچ کر بیٹے کا آخری دیدار کیا تو رونا پیٹنا بھول گیا۔ اُس وقت دل کی حالت میں بیان نہیں کر سکتی۔

سوال : آپ شہید کے بارے میں کوئی اور بات بتانا پسند کریں گی۔

جواب : ۱۹۶۵ء کی لڑائی کے کارنامے مجھے فخر سے سنایا کرتا تھا کہ مجھے وہ شہید اور غازی ابھی تک نہیں بھولے۔

سوال۔ آپ کے نام ان کے خط تو بہت آتے ہوں گے۔ کوئی اہم خط آپ دکھائیں گی؟

جواب : اس کی ڈائری سے جو آخری رقعہ نکلا تھا وہ یہ ہے :-

میری پیاری والدہ، شہادت کا وقت آگیا ہے۔ کفار کا آخری دم تک مقابلہ کریں گے اگر میں شہید ہو جاؤں تو غم نہیں کرنا، دکھ تو آپ کو بہت ہو گا۔ آپ کی بقیہ خدمت روز قیامت کروں گا۔

سوال : بچپن میں حق نواز کا کیا رنگ تھا؟

جواب : شرارتی اور ضدی۔ اپنی من مانی کرتا تھا۔ باپ سے بہت مانوس تھا۔ ان سے سے ڈرتا تھا اور عزت بھی بہت کرتا تھا۔ بچپن میں ان کی وردی پہن کر اور تلوار پستول سے کھیل کے بہت خوش ہوتا تھا، وہ بھی اسے بہت چاہتے تھے۔

ایک دفعہ منگلا میں میرا شہید بیٹا اپنے والد کا ذکر کر رہا تھا کہا مجھے بھی والد کی طرح لمبی عمر نہیں چاہیئے۔ بہادری اور عزت کی عمر چاہیئے خواہ تھوڑی ہو۔

سوال : شروع جوانی میں کیسے تھے ؟

جواب : شروع جوانی میں بہت شوقین مزاج تھا، فوٹوگرافی اور سیر سپاٹے کا شوقین میں نے اسے کبھی اپنی بیوی یا بچوں سے غصہ کرتے نہیں دیکھا۔ اپنے باپ کی قبر خوبصورت بنانا چاہتا تھا۔ یہ خواہش اس کی شہادت کے بعد پوری ہو گئی۔

میرا بیٹا بلند ستارے کا مالک تھا وہ زندگی میں عظیم تھا اور شہادت کے بعد عظیم تر ہو گیا۔

شہید کی دوسری والدہ کے تاثرات

حق نواز کے والد صوبیدار اللہ دتہ نے ۱۹۴۰ء میں اپنی رحلت سے چند سال پہلے دوسری شادی بھی کی تھی اس سے ان کا ایک بیٹا بھی تھا 'حق نواز کیانی' ہم نے سنا تھا کہ نواز نے اپنی ان دوسری والدہ کا بھی زندگی بھر خیال رکھا اور ان کی دیکھ بھال بیٹوں کی طرح کی اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ان خاتون کے تاثرات بھی معلوم کریں۔ مورنہ پنڈ میں جو انٹرویو

ہمارے لئے محمد آزاد بخت کیانی نے ریکارڈ کیا وہ یہ ہے :

سوال : جب آپ اس گھر میں آئیں تو حق نواز کیانی کی عمر کیا تھی ؟ اور وہ کیسا تھا ؟

جواب : اس وقت کیانی بیٹے کی عمر کوئی گیارہ برس کی تھی وہ ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا وہ بہت ہی اچھا تھا وہ ہمارے ساتھ کوہاٹ میں دو تین سال رہا اس نے مجھے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا، بس ذرا شرارتی تھا سو بچے شرارتی ہوا ہی کرتے ہیں۔

سوال : بڑے ہو کر حق نواز کیانی نے آپ کے ساتھ کیا رویہ رکھا ؟

جواب : بڑے ہو کر تو اس نے کمال کر دیا ، چھوٹا تھا تو کبھی کبھی ضد بھی کر جاتا تھا لیکن جب صوبیدار صاحب جنگ میں کام آئے اور میں اکیلی رہ گئی اس وقت میری عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔ ایک بچہ تھا حق داد کیانی ، بظاہر میرا سہارا کوئی نہیں تھا۔ بیوی کے لئے شوہر ہی سب کچھ ہوتا ہے ، جب سر تاج نہ رہا تو کچھ بھی نہ رہا۔ لیکن آفرین ہے حق نواز پر کہنے کو سوتیلا تھا لیکن میرا خیال اور احترام سگے بیٹے کی طرح کرتا تھا۔ وہ مجھے ماسی جی کہا کرتا تھا گھر میں کبھی کبھار کوئی اختلاف کی صورت پیدا ہو ہی جاتی ہے ایسے موقعوں پر وہ میری پاسداری کرتا۔ اور اپنی "بے جی" کو کہتا " ماسی صاحبہ " سے زیادتی نہ کیا کریں اور تو اور میری پیٹھ پیچھے بھی وہ کسی کو میرے خلاف بات نہیں کرنے دیتا تھا۔ اس دلداری سے میرا دل بہت خوش تھا۔ سگا بیٹا بھی اس سے زیادہ نہیں کیا کرتا۔

سوال : آپ کے بیٹے حق داد کیانی کے ساتھ کیانی شہید کس طرح پیش آتے تھے ؟

جواب : اب میں کیا بتاؤں دنیا کو یقین نہیں آئے گا۔ حق نواز نے حق داد کو بڑے بھائی کی طرح بلکہ باپ کی طرح پرورش کیا۔ اس کو انگریزی اسکولوں میں پڑھایا ، پنڈی میں کوئی کالج ہے 'گارڈن کالج یا کیا' اس میں بھی پڑھایا۔ پھر اپنے ساتھ کراچی لے گئے ، وہاں سے اسے لندن بھیجا لیکن اس کی قسمت میں کچھ اور لکھا تھا۔

سوال ، حق نواز کی شہادت پر آپ نے کیا محسوس کیا ؟

جواب ، مجھے وہ دھکا لگا جو شاید ۱۹۴۰ء میں اس کے باپ کے مرنے پر نہ لگا تھا۔ اس وقت جوان تھی، اب بڑھاپے کا یہ سہارا نہ رہا۔ میرے لئے وہ سگوں سے زیادہ تھا۔ بس یہ سوچ کر چپ ہو جاتی ہوں کہ اللہ نے اسے شہادت دی ہے اور شہادت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

کیانی پر جب کوئی مشکل آپڑے تو کہا کرتا تھا کہ اللہ مالک ہے۔ میرا بھی اللہ مالک، اتنی گزر گئی ہے باقی بھی اللہ اللہ کرتے گزر جائے گی۔ ایک ہی مالک ہے وہی مالک ہے۔

بیگم کیانی کا تبصرہ

وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ فرشتے سے بڑھ کر ہے انسان بننا، وہ بے وجہ نہیں۔ کیانی کی شخصیت کا کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کی اس بلندی کو پا سکے تھے، جہاں انسان سب کے ساتھ ہوتا ہے اور سب سے علیحدہ ہوتا ہے۔ کیانی شدید جذباتی انسان تھے، بہت ٹوٹ کے محبت اور نفرت کرتے تھے۔ طبیعت کے بہت تند و تیز تھے لیکن ان کی خودی بے لگام نہیں۔ رضائے الٰہی کی پابند تھی۔ اقبال کا مشہور شعر ہے

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گمان لا الٰہ الا اللہ

کیانی کو یہ کمال حاصل ہو گیا تھا کہ وہ مال و دولت دنیا ہی سے نہیں۔ رشتہ و پیوند کو بتان وہم و گماں سمجھتے تھے اور دل کی انتہائی گہرائیوں سے ایسا سمجھتے تھے۔ یہی کیانی کی شخصیت کا راز ہے۔ وہ مجاہد بھی تھے اور صوفی بھی۔ بیوی کی نگاہ میں کون ہیرو ہو سکتا ہے؟ کیانی وہ ہیرو تھے جنہیں یہ امتیاز حاصل تھا۔

سوال : شادی کے علاوہ آپ کا کیانی صاحب سے کیا رشتہ تھا!

جواب : ہمارا ان سے دوہرا رشتہ تھا میں ان کے ماموں زاد بھائی میجر یعقوب صاحب کی بیٹی ہوں وہ میرے والد کے پھوپھی زاد بھائی صوبیدار اللہ دتہ صاحب کے بیٹے تھے۔

سوال : آپ کی شادی کس طرح ہوئی۔

جواب : ہماری شادی خاندان کے رواج کے مطابق بچپن میں طے ہو گئی تھی۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ ہم دونوں کے خاندانوں میں دوہرا رشتہ تھا۔ لیکن جب وہ بڑے ہوئے تو ان کے طور طریقے بالکل انگریزوں جیسے تھے۔ ایک انگریز جوڑے ملٹری کالج جہلم کے کمانڈانٹ کرنل اسٹینگ اور ان کی بیگم نے انھیں بیٹا بنا کے پرورش کیا تھا۔ ان کی عادات اطوار کا ایسا ڈھنگ تھا کہ عام طور پر یہ بات مشہور ہو گئی کہ صوبیدار اللہ دتہ کا بیٹا لفٹیننٹ حق نواز کسی پاکستانی لڑکی سے نہیں کسی فرنگن سے شادی کرے گا۔ لیکن جب شادی کا وقت آیا تو انہوں نے اپنی والدہ کی خواہش کا احترام کیا۔ حالانکہ خاندان میں کچھ الجھنیں بھی تھیں اس کے باوجود انہوں نے کہا مجھے خود انہوں نے بتایا کہ میں شادی کروں گا وہیں کروں گا

سوال ۔ آپ کی شادی کب ہوئی۔

جواب ۔ ہماری شادی ۱۹۴۸ء میں ہوئی تھی وہ اس وقت لفٹیننٹ تھے۔ وہ پانڈو (کشمیر) کے علاقے سے آئے تھے اور شادی کے تیسرے دن پانڈو ہی واپس چلے گئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ پانڈو میں ان کا نام کبوتر پڑ گیا تھا۔ کشمیری انہیں کبوتر کہنے لگے وہ اس تیزی سے پہاڑیاں درے چوٹیاں چڑھتے اترتے تھے، کبھی یہاں، کبھی وہاں کہ وہ علاقے میں کبوتر کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

سوال : ابھی آپ نے کرنل اسٹیبنگ کا تذکرہ کیا، سنا ہے ان کو اسٹیبنگ صاحب نے بیٹا بنا رکھا تھا، کیانی صاحب ان کا تذکرہ کبھی گھر بھی کرتے تھے۔

جواب : کیانی صاحب پر سب سے زیادہ اثر ان کے والد کا تھا وہ ان کی جرأت، آن بان اور ٹھاٹھ باٹھ کے قصے اکثر بچوں کو سناتے تھے۔ بچے جب بڑے ہو گئے ملٹری کالج کے دنوں کا تذکرہ بڑے شوق سے کرتے تھے۔ کالج کے کرنل اسٹیبنگ کا ذکر اکثر کرتے تھے۔ اور بچوں کو بتاتے کہ کس طرح اسٹیبنگ صاحب ان پر مہربان تھے۔ ان کی مسز بھی انہیں بیٹا سمجھتی تھیں۔ یہ سن کر ایک بچے نے ان سے پوچھا، ابو پھر تو آپ کے عیش ہوں گے۔ انہوں نے کہا نہ بیٹے یہ بات نہیں ان کی یہی بہت شفقت تھی کہ میری ہر بات پر کڑی نظر رکھتے تھے اگر میں وہی غلطی کرتا جو کسی اور سے کی ہوتی تو اگر اس کو دو بید پڑتے تو میری چار بید دل سے تواضع ہوتی۔ کمانڈنٹ کی خوبی یہی تھی کہ دیکھ بھال بھی کرتے تھے اور سخت بھی بہت تھے۔

سوال : آپ کے ساتھ ان کا رویہ کیسا تھا؟

جواب : سارے خاندان میں ہمارا نام تھا، جوڑا ہو تو ایسا ہو، دلوانہ وار محبت کرتے تھے۔ محبت تو میاں بیوی میں اکثر ہوتی ہے لیکن ان کی محبت کی خصوصیت یہ تھی کہ محبت کے ساتھ قدر کرتے تھے، لحاظ کرتے تھے، اس کی ایک مثال جو میرے ذہن میں آرہی ہے۔

جن دنوں ہم کھاریاں میں تھے یہ اس زمانے کی بات ہے کہ میرے چچازاد بھائی رات گئے انگلینڈ سے آئے۔ میں سو چکی تھی اور صبح کو دیر سے اٹھی، بھائی کو صبح سویرے لاہور جانا تھا۔ کرنل صاحب نے انہیں ناشتہ وغیرہ کرایا، رخصت کرایا بچوں کو تو اسکول بھجوایا لیکن مجھے نہ اٹھایا۔ جب بھائی لاہور پہنچے تو چچی نے پوچھا بہن سے ملے۔ بھائی نے کہہ دیا وہ تو سو رہی تھی، کرنل صاحب نے اسے اٹھایا ہی نہیں، وہ بولیں حق نواز تو ان کا اتنا کرتا

ہے یہ تو تم زندہ گئے تھے اگر کوئی مر بھی جاتا تو وہ لے نہ اٹھاتا۔ یہ حال تھا اس قدر و منزلت کا ، اس چاہت کا جو ان کے دل میں میرے لئے تھی۔

وہ میرا کتنا خیال کرتے تھے اور انہیں پسند و ناپسند کا کتنا پاس تھا۔ اس مسئلے میں دو واقعات سناتی ہوں :

شادی کا دوسرا دن تھا۔ اردلی کچھ کپڑے دھوبی کے پاس لے چلا، کپڑے ٹھیک ٹھاک تھے۔ بالکل صاف، کوئی داغ دھبہ نہیں تھا میں نے کہا نہ لے جاؤ۔ دھلوانے کی ضرورت نہیں اردلی گھبرایا کہنے لگا، صاحب کا حکم ہے۔ کپڑے دھلوائے جائیں، خواہ میلے ہوں یا نہ ہوں۔ میں نے کہا تم فکر نہ کرو میں کہہ دوں گی۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا بیگم صاحبہ جب سے آپ آئی ہیں یہاں کچھ سکون ہے ورنہ کہیں کسی چیز پر دھبہ بھی نظر آ جائے تو اتنی زور سے ٹھوکر لگاتے کہ جو چیز بھی ہوتی کمرے کی چھت سے جا لگتی۔

میرے جذبات کا انہیں اتنا احترام تھا کہ انہوں نے برسوں کی عادت سگریٹ نوشی بھی چھوڑ دی، وہ لگاتار سگریٹ پینے والوں میں سے تھے (چین اسموکر) ایک سگریٹ ختم ہونے لگتا تو اسی سے دوسرا سلگا لیتے۔ کم از کم دو پیکٹ تو ضرور ہی پیتے تھے۔ وہ بھی تھری کاسل جو خاصا تیز سگریٹ ہے لیکن بعد میں جب میں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو محض میری دلداری کے لئے انہوں نے سگریٹ پینا چھوڑ دیا وہ بھی یکایک، کسی ٹرین میں سفر کر رہے تھے جیب سے پیکٹ نکالا لائیٹر لے کر سلگانے لگے تو ذرا سی دیر رک گئے کچھ سوچا جیسے یاد کچھ آگیا ہو۔ پھر کہا (اب نہیں نو مور) اور یہ کہہ کر پیکٹ کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ اس کے بعد پھر انہوں نے کبھی سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا، پریشانی دباؤ ذہنی الجھن کے ایسے ایسے موقعے آتے جب سگریٹ نہ پینے والے بھی ایک آدھ سگریٹ پی لیتے ہیں لیکن حق نواز نے سگریٹ ایک بار چھوڑا تو پھر ہاتھ نہیں لگایا۔ اپنی بات کا پاس تو ان میں بے انتہا تھا، ٹوٹ جانا گوارا تھا،

جھکنا گوارا نہیں تھا۔

سوال : بچوں کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے؟

جواب : جب ہم منگلا میں تھے تو بچیاں نت نئے فیشن کرتیں میں کہتی بھی اپنے ابا کا خیال کرو لیکن وہ دیکھتے تو کہتے کہ اچھا آجکل یہ فیشن ہے بچوں کے ساتھ بہت فراخ دل تھے۔ بچے گھر میں ان کے آتے ہی شور کر دیتے تھے انہیں معلوم تھا کہ ابا کچھ نہیں کہیں گے۔ میں کہتی آپ تو انہیں کچھ کہتے ہی نہیں، تو جواب ملتا۔ تم ماں ہو ان کی تربیت کرنا کام تمہارا ہے۔ تم ڈانٹو، جھڑکو۔ ہم تو ان کے ساتھ تھوڑی دیر کھیلنے کے لئے آتے ہیں۔ بچوں کو کبھی نہیں مارتے تھے۔ بچوں کو لے کر پڑھانے کم ہی بیٹھتے تھے لیکن جب بیٹھتے تھے تو غصہ کرتے اور سزا بھی دیتے۔ عام طور پر نہیں مارتے تھے، بچوں کی شرارتوں کا برا نہیں مناتے تھے، کہتے تھے بچے کا مستی کرنا ایک لحاظ سے اچھا ہوتا ہے ہوشیاری کی علامت ہے۔

سوال : کیانی صاحب کتنے عبادت گزار اور تہجد گزار تھے اس سلسلے میں آپ کے ساتھ کیا رویہ تھا۔

جواب : تہجد کے لئے تو نہیں لیکن نماز کے لئے کبھی کبھی تاکید کرتے۔ میں کہتی آپ اتنی نمازیں پڑھتے ہیں اور عبادتیں کرتے ہیں آپ کو جنت میں جانا ہی ہے۔ ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلے جائیں گے۔ کہتے باتیں نہ بناؤ نماز پڑھا کرو لیکن انہوں نے ہمیں کبھی لمبا وعظ نہیں دیا۔ انہیں زیادہ نصیحتیں کرنے کی عادت نہیں تھی۔

سوال : ہم نے سنا ہے کہ حق نواز صاحب شاہ خرچ تھے اس سے کوئی مسئلہ تو پیدا نہیں ہوتا تھا۔

جواب : شاہ خرچ تھے مگر گھر کی ضرورت پوری کرتے تھے، چونکہ داد دہش کرتے وقت آمدنی کو نہیں دیکھتے تھے۔ اس لئے قرض لیتے رہتے تھے۔ لیکن ہاتھ روکنا نہیں

نہیں جانتے تھے۔ جب شہادت ہوئی ہے تو بینکوں کے مقروض تھے دوسروں کا دینا تھا۔ جب شہادت کی خبر آئی تو میرے تو پاؤں تلے کی زمین نکل گئی، میرے پاس پرس میں دس روپے تھے۔ سات بچے گھر در نہیں، اب کیا ہو گا۔ چند روز بعد ان کی مئی کے پانچ دنوں کی تنخواہ آئی لیکن جلد ہی معجزاتی طور پر حالات بدل گئے اور جب سے اب تک کبھی مجھے پیسے کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ گھر بھی اچھا بن گیا ہے بال بچے بھی سعادت مند ہیں۔ بڑا بیٹا جو کبھی لاپرواہ تھا اب اس کا یہ حال ہے کہ اٹھتی ہوں تو پہلے جوتی سیدھی کرتا ہے۔

اللہ مالک ہے، ایک طرح سے ان کا خاص جملہ تھا اور وہ اس کو اس یقین سے ادا کرتے تھے کہ صاف معلوم ہو جاتا کہ یہ محض کہنے کی بات نہیں یہ ان کے دل کی آواز ہے۔ جب بیٹیاں بیٹے بڑے ہونے لگے تو میں کہا کرتی بہت خرچ آ گیا ہے کچھ تو ہاتھ کو روکئے کہتے اللہ مالک ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ ایک بار ایسا ہوا کہ انہوں نے کچھ پیسے مانگے، میں نے کم دیئے تو میری امی سے شکایت کرنے لگے، دیکھیئے تمہاری بیٹی مجھے ہاتھ کھول کر خرچ نہیں کرنے دیتی۔ اللہ مالک ہے۔ کبھی اس کے پاس اتنا ہو گا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کس طرح خرچ کرے، میں نے کہا کہ یہ بہلانے کی باتیں ہیں جو ہے اسے تو بچایا جائے، انہوں نے اس کا بھی برا نہیں مانا۔ اللہ مالک ہے، کہا اور چلے گئے۔

سوال : کیانی شہید کی داد دہش کا کیا انداز تھا؟

جواب : انسانی ہمدردی کی ایک نادر مثال دیتی ہوں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں وہ کمانڈو مشن پر تھے کہ کسی جگہ بری طرح پھنس گئے کہتے تھے کہ میں دشمن کے نرغے میں آ گیا تھا، وہاں سے زندہ بچ نکلنا ناممکن نظر آتا تھا، ٹھیک اس وقت کہیں سے دو کشمیری بچے آ گئے، میرے لئے تو وہ فرشتے ثابت ہوئے۔ میں نے ان سے راستہ پوچھا انہوں نے بتایا کہ دشمن کہاں ہے اور خود ہی ایک پیچیدہ راستے سے مجھے ایک محفوظ مقام تک لے گئے۔ انکے لئے فوراً واپس جانا خطرے سے خالی نہ تھا میں نے انہیں روک لیا وہ بھی بے خانماں تھے۔ انہوں نے انکی پرورش والدین کی طرح کی جب

ہو گئے تو ان کی شادیاں کیں۔

کرنل صاحب نے کوششیں کر کے ان دو مہاجروں کو جھنگ میں آدھا آدھا مربع زمین بھی آلاٹ کرا دی۔ یہ دونوں بھائی اب خوشحال ہیں۔کرنل صاحب کو دعائیں دیتے ہیں۔ان دنوں اپنی زمینوں پہ ہیں۔ یہ تو ایک مثال ہے۔آزاد کشمیر میں ان کی فیاضی اور ہمدردی کے قصے بچے بچے کی زبان پہ ہیں۔کرنل صاحب زیادہ تر کشمیر میں رہے وہاں کے لوگوں پہ بے انتہا خرچ کرتے تھے۔ابھی حال ہی میں ایک دکاندار کا خط آیا اس کو کئی ہزار روپے دے کر دکان کرائی۔وہ اپاہج تھا۔بیواؤں کو دیتے تھے۔اس سال ان کی ساتویں برسی تھی ایک کشمیری آیا اور ان کی قبر پہ تین دن رہا اور روتا رہا اور تلاوت کرتا رہا۔نہ ہمارے گھر آیا اور نہ کسی سے کچھ مانگا۔کشمیر میں انہوں نے اپنا پیسہ بھی لٹایا اور اپنی شفقت بھی لٹائی۔ کھوئی رٹہ کے لوگ شہادت کے بعد لاش کو یہاں نہیں آنے دیتے تھے۔ٹرک کے سامنے لیٹ گئے۔ہم مر جائیں گے ہمارے پیر کو ہمارے پاس ہی رہنے دو۔ جس جگہ شہید ہوئے تھے وہاں انہوں نے زیارت سی بنا دی ہے۔ وہ لوگ ہر سال ان کا عرس مناتے ہیں۔وہ انہیں پیر فقیر سے بھی زیادہ درویش صفت بزرگ سمجھتے ہیں۔

سوال:۔ کیا شہادت کے دنوں میں آپ کی کسی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی۔

جواب:۔ کرنل صاحب کو اپنی بیٹی کی شادی پہ آنا تھا۔لیپا ویلی میں ہونے کی وجہ سے ان کا آنا مشکل ہو رہا تھا۔ہر خط میں کہتے ایک مہینہ اور ملتوی کر دو۔ پھر خط آیا ایک ہفتہ اور۔آخر مئی ۷۲، کو تاریخ دی۔چنانچہ مئی کے لئے شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔لکھا کہ میں ضرور شرکت کروں گا۔شادی میں شرکت انہوں نے ضرور کی لیکن

اس طرح کہ گھر میں ان کا تابوت آ کے اترا۔ اسی دن ان کے بیٹے اصغر نواز کے نام ان کا خط بھی آیا۔ اس میں لکھا تھا میں اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب میں شرکت ضرور کروں گا۔ جسمانی طور پہ نہیں میری روح وہاں ہو گی۔ اس لئے میری کمی محسوس نہ کرنا۔

سوال:۔ آپ تو رازداں ہیں ہمیں بتائیے کہ حق نواز جو کبھی بڑے مختلف ہوتے تھے۔ بڑے ماڈرن تھے۔ ان کا قلب کیسے روشن ہوا۔

جواب:۔ یہ صحیح ہے کہ حق نواز کیانی جوانی میں بہت زندہ دل تھے۔ بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے۔ زندہ دلی، مجلس آرائی اور شان و شوکت سے رہنا انہیں اپنے والد صوبیدار اللہ دتہ سے ورثے میں ملا تھا۔ انہیں کی طرح وہ کپڑوں کے معاملے میں نازک مزاج تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جوانی میں وہ بہت فیشن ایبل تھے۔ اچھے سے اچھا سلا ہوا کپڑا پہنتے تھے۔ چونکہ نقشہ کھڑا تھا اور رنگ سرخ و سپید تھا۔ کپڑا ان پہ جچتا تھا۔ فلم دیکھنے کا بھی شوق تھا۔ انگریزی فلمیں دیکھتے تھے اور بہت کثرت سے دیکھتے تھے۔ سگریٹ بھی اعلےٰ سے اعلےٰ برانڈ کے پیتے تھے اور بہت پیتے تھے۔ غرضیکہ اپنے لباس، انداز، ذوق، طرز زندگی ہر اعتبار سے ان پہ انگریزیت چھائی ہوئی تھی۔ روزہ، نماز کے بارے میں لاپرواہ تھے۔ مذہب کی طرف کوئی خاص توجہ نہ تھی ان کے دل میں دماغ میں کیسے تبدیلی آئی اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا بظاہر یہ تبدیلی کوہاٹ سے شروع ہوئی۔ ۵۷۔۱۹۵۸ء میں ہماری پوسٹنگ کوہاٹ میں تھی۔ وہاں گھمکول شریف کے پیر صاحب کے یہاں آنا جانا ہوا۔ ان کے فیض صحبت سے وہ مذہب کی طرف راغب ہو گئے۔ ان کی طبیعت میں تندہی، اور انتہا پسندی تھی۔ جب مذہب کی طرف آئے تو اس میں ڈوبتے ہی چلے گئے۔ راتوں کو عبادت

کرتے۔ تہجد گزار ہو گئے تھے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر عملی زندگی میں ان کا رویہ ان کی قدریں بالکل بدل گئی تھیں۔ کہنا چاہیئے بالکل درویش ہو گئے۔ وہی دنیا اور اس کے جھگڑوں سے بے نیازی وہی موت سے بے خوفی اور وہی ایمان عین الیقین کے درجے پر۔

سوال:۔ شکریہ۔ چلتے چلتے ایک سوال آپ کے بچوں کے بارے میں بھی ہو جائے

جواب:۔ ہمارے سات بچے ہیں۔ چار بیٹیاں، تین بیٹے۔ دو بیٹیاں بیاہی ہوئی ہیں۔ دو ابھی پڑھ رہی ہیں۔ بڑا بیٹا اصغر سعودی عربیہ میں ہے۔ چھوٹا بیٹا احمد نواز آرمی میڈیکل کالج میں زیر تعلیم ہے۔ سب سے چھوٹا شیر نواز گھوڑا گلی کالج میں ہے پچھلے سال ہم نے یہ کوٹھی بنوائی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ سب کچھ ہے اتنا کچھ ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ سب معاملات ٹھیک جا رہے ہیں بس ایک وہ نہیں تو دنیا اندھیر ہے بس اس خیال سے دل کو تسکین دیتی ہوں کہ وہ مرے تو نہیں اور پھر جو شہادت انہیں محبوب تھی مجھے بھی قبول ہونا چاہیئے۔

بیٹے کیا کہتے ہیں

بیوی کی باتیں آپ نے سنیں۔ اب دیکھیئے شہید کے بیٹے کیا کہتے ہیں۔

سوال:۔ اصغر! پہلے تو آپ یہ بتایئے کہ بحیثیت باپ کے ابو آپ کے ساتھ کیسے تھے۔

جواب:۔ ہم بہن بھائیوں کے ساتھ وہ بہت نرم تھے۔ انہوں نے ہمیں خاصی آزادی دے رکھی تھی۔ ہم کو سیر کراتے تھے اور پکنک پر لے جاتے تھے۔ کبھی دوستوں کے گھرانوں کے ساتھ پکنک مناتے اور ہمارے ساتھ کھیلتے تھے۔ ان کے دوست کہتے کیانی صاحب آپ تو بچوں کے ساتھ بالکل بچے بن گئے ہیں۔ وہ کہتے۔ جی ہاں، بچے اس سے

خوش ہوتے ہیں۔

جب ہم ذرا بڑے ہوئے تو انہوں نے ہمیں آنے جانے کی خاصی آزادی دے رکھی تھی۔ جہاں جی چاہتا جاتے صرف ان کو بتا دیتے کہ وہاں جا رہے ہیں اور فلاں وقت واپس آئیں گے۔ اتنا ہی کافی تھا۔

اس کے باوجود کہ بڑے مذہبی تھے اور تہجد گزار تھے ہمیں کم و بیش ہر روز شہر لے جاتے۔ باغوں کی سیر کراتے اور اکثر فلم بھی دکھاتے۔

لباس کے معاملے میں بڑا تکلف کرتے تھے، ہم بہن بھائیوں کے لئے نت نئے کپڑے ضرورت بے ضرورت خریدتے رہتے تھے۔ ہمیں اچھے اور شوخ کپڑے پہنتے دیکھ کر انہیں بہت خوشی ہوتی تھی۔ کپڑوں پہ فضول خرچی پر امی ٹوکتیں تو ابو ایک دلچسپ فقرہ دہراتے تھے اگر تم بچانا چاہتی ہو تو زیادہ خرچ کرو۔

ہمیں انہوں نے کبھی مارا نہیں سوائے پڑھائی پہ۔ جب پڑھانے بیٹھتے تو ان کی خواہش ہوتی ہم فوراً سب کچھ سمجھ جائیں اور فوراً صحیح جواب دیں اور جب نہ دے پاتے تو پٹائی ہوتی۔ بس ایک آدھ تھپڑ۔ لیکن ہم اس تھپڑ سے ڈرتے بالکل نہیں تھے جس روز ہم میں سے کسی کی پٹائی ہوتی اس روز لازمی طور پہ ہمیں باہر لے جاتے اور پٹنے والے کو کوئی نہ کوئی نئی چیز ضرور ملتی۔ جھوٹ سے انہیں نفرت تھی۔ ہمیں بار بار تاکید کیا کرتے۔ بچو۔ جھوٹ نہ بولنا۔ خواہ کچھ ہو جائے۔

میری امی مجھے بتاتی ہیں کہ میری بڑی بہن جب چھوٹی سی تھی تو اس کا بہت لاڈ کرتے تھے۔ جب اس نے پہلی بار گلاس توڑا تو ابو بہت خوش ہوئے۔ باقاعدہ جشن منایا کہنے لگے اب ہماری بیٹی بڑی ہونے لگی ہے۔

بڑے ہو کر میں نے بھی یہ بات نوٹ کی کہ بغیر ارادے کے یا اتفاق سے کیسا ہی

نقصان ہو جائے وہ کبھی ہمیں جھاڑ نہیں پلاتے تھے اور ناراض نہیں ہوتے تھے۔ سزا کا تو سوال ہی نہیں۔ کھانے کی میز پہ یا کھیلتے ہوئے چیزیں ٹوٹتیں یا خراب ہو جاتیں تو وہ کبھی اس کا نوٹس نہیں لیتے تھے۔ ٹھیک ہے تو کیا ہوا کہہ کر بات آئی گئی کر دیتے۔ بچوں کی آن رکھتے تھے۔

جب میں ملٹری کالج میں تھا تو میں چند دوستوں کو لے کر منگلا گیا۔ خیال تھا کہ ان کو کار میں منگلا کی سیر کراؤں گا۔ جب میں منگلا پہنچا تو ابو کہیں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ مجھے اس کا علم نہ تھا میں نے ابو سے کہا مجھے کار چاہیئے۔ دوستوں کو منگلا دکھانا ہے۔ انہوں نے کہا اوکے چابی لو اور جاؤ۔ میں کار لے گیا۔ خوب سیر کی جب واپس آیا تو پوچھا امی ابو کہاں ہیں انہوں نے کہا انہیں کہیں جانا تھا کار تو تمہارے پاس تھی سو وہ پیدل ہی چلے گئے۔

فوج میں جانے کی نصیحت

ابو چاہتے تھے کہ میں جاؤں۔ ان کی شہادت سے پہلے جو آخری خط مجھے ملا اس میں انہوں نے کہا تھا۔ اب میں تو جا رہا ہوں اب تمہیں فوج میں جانا ہے اور میری جگہ لینا ہے۔ تمہیں ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے اور اپنے زیر کمان آدمیوں کو تیار رکھنا چاہیئے تاکہ وہ اس ملک کے لئے اور اسلام کے لئے اپنی جانیں قربان کر سکیں۔

ابو کے بڑے گہرے اور پرانے دوست میجر محمد سرور صاحب نے ہمیں ابو کے بارے میں یہ قصہ سنایا۔ جب ہم طالب علم تھے تو مجھے ایک سکھ لڑکے نے چیلنج کیا کہ ہمت ہے تو میرے ساتھ آج رات لڑنا۔ جگہ اور وقت کا تعین کر دیا گیا چیلنج میں نے قبول کر لیا تھا لیکن میں دل میں ڈر رہا تھا چونکہ سکھ لڑکا طاقت ور تھا۔ میں حق نواز کے پاس گیا اور پوری کہانی سنائی۔ حق نواز نے کہا فکر کی بات نہیں

میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔

چنانچہ مقررہ وقت اور جگہ پر ہم دونوں پہنچ گئے۔ ادھر سے وہ سکھ بھی ایک حمایتی کو لے کر آگیا۔ حق نواز آگے بڑھے اور بولے سرور میرا دوست ہے تم اس کے ساتھ لڑو میں تمہارے دوست کے ساتھ لڑوں گا۔ یہ نئی شرط سن کر وہ سکھ گھبرا گیا۔ کیونکہ اسے اور اس کے دوست کو خوب معلوم تھا کہ حق نواز بڑے زبردست باکسر ہیں مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیں گے۔ اس لئے وہ پیچھے ہٹ گیا اسطرح میری جان چھوٹی

سوال:۔ اپنے ابو کے بارے میں آپ کوئی اور بات بتائیں گے۔

جواب:۔ غریبوں پر بڑے مہربان تھے اگر کوئی فقیر سامنے آجاتا تو بلا تکلف جیب میں ہاتھ ڈالتے اور جو ہاتھ میں آتا اسے دے دیتے۔ امی کہتیں کہ کم از کم یہ تو دیکھ لیا کیجئے کیا دے رہے ہیں۔ حق نواز کا جواب ہوتا بیگم میں اسے دے نہیں رہا وہ مجھ سے اپنا مقدر لے رہا ہے۔ میں کیا دیکھوں اور دیکھ کر کیا کروں۔

سوال:۔ ان کی کوئی غیر معمولی عادت۔

جواب:۔ گاڑی بے حد تیز چلاتے تھے ڈرائیونگ لائسنس انہوں نے کبھی نہیں بنوایا اگر لمبا سفر ہوتا تو دوسری کاروں سے ریس کرنے لگتے جب دوڑ شروع ہو جاتی تو وہ ہر قیمت پر مقابل کار سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے۔ سڑک کے کسی اصول کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

جب میں ڈرائیونگ کر رہا ہوتا اور والد اور والدہ ساتھ ہوتیں تو ہمیشہ میری ماں کہتیں۔ اصغر آہستہ چلاؤ۔ آہستہ کرو، تو والد بول اٹھتے تم اپنی شادی پہ تو نہیں جا رہی ہو تیز کرو اور تیز اصغر۔

جب ۱۹۷۱ء کی جنگ چھڑی تو میرے والد ریٹائرڈ ہو کر مسکلا میں رہ رہے

تھے۔ اس روز شام کو ہوائی حملے کے خطرے کا سائرن بجا تو ہمارے پڑوسی جلدی سے خندقوں میں بھاگ کے چلے گئے۔ والد اور میں لان میں کھڑے رہے اور ہوائی جہازوں کو تلاش کرتے رہے۔ تھوڑی دیر میں دو ہوائی جہاز نظر آئے۔ رفتار بھی زیادہ نہیں تھی اور بہت نیچے آکر غوطہ لگایا نشانہ دیکھا اور اوپر چلے گئے دوسری بار اسی طرح بہت نیچے آکر ایک راکٹ چھوڑا۔ میں نے والد سے پوچھا کہ ان پر طیارہ شکن توپیں فائر کیوں نہیں کرتیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے بیٹے ان جہازوں کے پائلٹ دلیر تھے انہوں نے خطرہ مول لیا۔ یاد رکھو خدا دلیروں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان ......۔ بزدل کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔

سوال:۔ شکریہ۔ اصغر۔ اب کچھ بتائیے احمد نواز! کبھی آپ کی پٹائی ہوئی؟

جواب:۔ ڈیڈی نے ہمیں کبھی نہیں مارا بلکہ دوستوں کی طرح ہمارے ساتھ کھیلتے تھے۔

سوال:۔ کون سا کھیل؟

جواب:۔ یہی بچوں کے کھیل۔ لیکن باکسنگ کو پسند کرتے تھے اور ہمیں بھی باکسنگ سکھاتے تھے۔ میں ساتویں درجے ہی میں تھا کہ انہوں نے مجھے کار اور سکوٹر ڈرائیو کرنا سکھایا۔ خود بہت تیز چلاتے تھے۔ خود مجھ سے کہتے ۵۰ میل سے کم رفتار پر مت چلایا کرو۔ تیز چلانے سے آدمی خطر پسند بنتا ہے۔ اس میں اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

سوال:۔ کوئی اور یاد؟

جواب:۔ کھوئی رٹہ مسجد کے افتتاح کے وقت مجھے ساتھ لے گئے تھے۔ بڑی شاندار مسجد بنوائی تھی خود بھی اس کو بنانے میں مزدوروں کی طرح کام کیا تھا۔

ماموں زاد بھائی اور خسر کے تاثرات

میجر (ریٹائرڈ) محمد یعقوب صاحب اپنی جگہ عزم و ثبات کی ایک زندہ مثال ہیں۔ اسّی برس کے قریب عمر ہے۔ ۱۹۵۳ء میں پنشن پر آئے تھے حق نواز کے گھر کا سارا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں ان سے ہماری جو گفتگو ہوئی۔ آپ بھی سنیئے۔

سوال:۔ یعقوب صاحب۔ حق نواز شہید سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟

جواب:۔ حق نواز میرے ماموں زاد بھائی تھے۔ مجھ سے عمر میں بیس بائیس برس چھوٹے ۱۹۴۸ء میں حق نواز کی شادی میری بڑی بیٹی عنایت بیگم سے ہوئی۔ اس طرح وہ میرے داماد بھی ہو گئے۔

سوال:۔ آپ بزرگ ہیں آپ کو علم ہو گا کہ حق نواز کو ملٹری کالج کے کمانڈنگ کرنل اسٹیبنگ نے بیٹا سا بنایا ہوا تھا اس کی کیا کہانی ہے۔

جواب:۔ حق نواز کے والد اور بڑے ماموں اللہ دتہ ۲/۶ راجپوتانہ رائفلز میں صوبیدار تھے اور عام سے نہیں بڑے زوردار سردار تھے۔ ان کی صلاحیتیں حق نواز سے کم نہیں تھیں بلکہ زیادہ تھیں۔ اپنی پلٹن ہی نہیں پوری رجمنٹ میں ان کا نام تھا اور انگریز افسر ان کو بہت مانتے تھے۔ ان دنوں قبائلی علاقے میں شورش برپا رہتی تھی۔ جنوری ۱۹۴۰ء میں صوبیدار اللہ دتہ بنوں سے آگے کشمیر کے علاقے میں تعینات تھے۔ یہاں قبائلیوں نے ایک کنوائے پر کمین گاہ سے حملہ کیا۔ صوبیدار اللہ دتہ نے بجائے چھپنے کے سامنے آکر حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ اس جھڑپ میں اللہ دتہ اور چھ جوان کام آئے اس پلٹن کا کمانڈنٹ آفیسر لیفٹیننٹ کرنل میسے تھا جو بعد کو لیفٹیننٹ جنرل ہو کر شروع میں پاکستان کا سی جی ایس بنا، اس نے کالج کے کمانڈنٹ کو چٹھی لکھی تھی

کرمو بیدار اللہ دتہ کے لڑکے حق نواز کا خاص خیال رکھا جائے. اس وجہ سے
اسٹیپنگ حق نواز کے گارڈین سے بن گئے تھے.

سوال:۔ سنتے ہیں کہ جوانی میں حق نواز کا رنگ اور تھا بعد کو صوفی صافی بن گئے اس
کا کیا راز تھا؟

جواب:۔ جوانی میں بھی کوئی بری علت نہیں تھی بس شاہ خرچ تھے۔ لا ابالی طبیعت
کے تھے. سیر و تفریح، فلم، سگریٹ، یار باشی کا شوق تھا۔ پھر کوہاٹ کے پیر صاحب
گھمکول شریف کے اثر سے قلب روشن ہو گیا اور اللہ ہو کے نعرے بلند کرنے
لگے. پیر صاحب سے ان کی عقیدت اس درجے کی تھی کہ وہ اپنے گھریلو معاملات
بھی ان کے مشورے سے طے کرتے تھے۔ ان کی مذہب سے دلچسپی عملی اثرات
رکھتی تھی۔

سوال:۔ وہ کیسے؟

جواب:۔ وہ اس طرح کہ مذہب ایثار اور انفاق فی سبیل اللہ سکھاتا ہے وہ گھر والوں
عزیزوں، غریبوں کے لئے فرشتہ تھے اتنا انفاق فی سبیل اللہ کرتے تھے کہ گھر
کچھ بچتا ہی نہیں تھا. ریٹائرمنٹ کے بعد چار مربعے زمین پٹے پر لے کر زمینداری
شروع کی تھی۔ کھیتی باڑی کا ان کو بڑا شوق تھا کہتے تھے آزاد پیشہ ہے۔ اپنی محنت
اور زور بازو کی حق حلال کی کمائی ہے. زمینوں پر خود ٹریکٹر چلاتے تھے مزدوروں
کے ساتھ کام کرتے تھے رات کو ان کے ساتھ زمین پر سوتے بھی تھے. مزدوروں
اور ان کے گھر والوں کا بڑا خیال رکھتے تھے جیسے ان کے اپنے بچے ہوں. گاؤں
کے غریبوں اور بیواؤں کی چپکے چپکے مدد کیا کرتے تھے جس نے جو مانگا دے دیا. انکار
کرنا تو وہ جانتے ہی نہیں تھے. یہی وجہ ہے کہ شہادت کے وقت ان کے بنکوں میں

ایک پیسہ نہیں تھا الٹا اچھا خاصہ قرضہ تھا۔

ان کی شاہ خرچی سے ہم بہت پریشان بلکہ عاجز تھے، شاید ہمارا ایمان حق نواز سا پختہ نہیں تھا۔ وہ یہی کہتے گھبراؤ نہیں اللہ مالک ہے۔ جب ۷۱ء میں دوبارہ فوجی خدمت کے لیے بلائے گئے تو اپنی بیوی عنایت سے کہنے لگے خواہ میں نہ آؤں پیسہ بہت آئے گا۔ یہ بھی شہید کی کرامت ہے۔ اب گھر میں ہر طرح کی فراخی ہے خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ ان کے بیوی بچوں کو تنگی نہیں ہوئی۔ ویسے پیسہ آدمی کا بدل نہیں ہوتا۔

سوال:۔ کشمیر سے حق نواز کیانی شہید بڑی محبت کرتے تھے اس کا کیا سبب ہے؟

جواب:۔ ہم لوگ گکھڑ ہیں کشمیر سے ہمارا کوئی نسلی یا علاقائی تعلق نہیں ہے۔ کشمیر سے کیانی کی ساری محبت بلکہ عشق، پاکستان اور اسلام کی وجہ سے تھا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ حق نواز نے اپنی فوجی زندگی کا بڑا حصہ کشمیر میں گزارا۔ اپنی زندگی کی تین جنگیں کشمیر ہی میں لڑیں اور ایک ہی علاقے میں یعنی وادی کیان یا لیپا ویلی کے علاقے میں ۱۹۴۸ء میں وہ پانڈو آپریشن میں شریک تھے۔ ۱۹۶۵ء میں ان کی رجمنٹ اسی علاقے میں تھی۔ یہیں سے انہوں نے کمانڈو ایکشن کیے۔ یہیں انہیں ستارہ جرأت ملا۔ ۱۹۷۱ء میں پھر اسی علاقے میں ۱۳۔ اے کے بٹالین کی کمان کر رہے تھے۔

سوال:۔ سُنا ہے کہ کشمیری انہیں بہت چاہتے تھے۔

جواب:۔ چاہتے تھے اور اب بھی چاہتے ہیں کشمیر میں تو انہیں پیر بادشاہ سمجھا جاتا ہے کھوئی رٹہ میں جو مسجد انہوں نے بنوائی تھی وہ ان کے نام سے موسوم ہے کشمیر میں تو ان کا باقاعدہ عرس ہوتا ہے۔ ان کے نام پر مدرسہ اور مسجد ہے ہر سال کشمیر سے ان کی برسی پہ دو ایک کشمیری آتے ہیں اور ان کے مزار پر قرآن خوانی کر کے

چلے جاتے ہیں۔ اس سال بھی دو کشمیری آئے تھے اپنی روٹی اپنے ساتھ لائے تھے قبر پر قرآن خوانی کرتے رہے اور وہیں سے رخصت ہوئے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ جب لوپچھ مظفر آباد اور میر پور کے لوگوں کو پتہ چلا کہ کرنل حق نواز شہید ہو گئے ہیں تو وہ ان کے جسد خاکی کو یہاں لانے ہی نہیں دیتے تھے بضد تھے کہ ہمارا پیر ہے ان کا کشمیر میں اس کا مقبرہ بنائیں گے۔ وہ تو ہم بڑی مشکلوں سے تابوت میں بند کرکے ان کی لاش کو موہنہ پنڈ لا سکے۔

سوال:۔ کوئی اور تاثر؟

جواب:۔ اور یہ کہ شہید کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ اب شہید ہونے والے ہیں آخری دو تین دنوں میں انہوں نے سب کو خط لکھے۔ کئی سال ہوئے میری ملاقات سردار عبدالقیوم سے جو اس زمانے میں (آزاد کشمیر کے صدر تھے) ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ان کی شہادت سے کچھ دن پہلے مظفر آباد میں کرنل کیانی سے ملے تھے، سردار قیوم کہتے ہیں۔ مجھے تو اس شخص سے مل کر ہی یقین ہو گیا تھا کہ یہ شخص شہادت حاصل کر کے رہے گا۔

سوال:۔ یعقوب صاحب، حق نواز شہید کو دوبارہ ستارۂ جرات ملا۔ اس اعزاز کے علاوہ بھی حکومت کی طرف سے کوئی اعتراف ہوا۔

جواب:۔ جی ہاں۔ ۱۹۷۶ء میں جب جنرل ضیاء صاحب لیپا ویلی گئے تو شہید کے کارناموں کی تفصیل سنکر انہوں نے اسی جگہ کا نام جہاں وہ شہید ہوئے تھے "کیانی" رکھدیا ہے۔ اب تمام ملٹری نقشوں میں بھی یہ نام لکھا جائے گا اس کے علاوہ جہلم کینٹ کی اس سڑک کا نام جس پر ان کا گھر ہے "حق نواز کیانی روڈ" ہے ملٹری کالج جہلم میں جہاں انہوں نے خصوصی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ کوئی جگہ

ان کے نام سے موسوم ہے۔ ستارۂ جرأت کے تمغوں کے ساتھ جو فوائد ہیں وہ حاصل ہیں لیکن اصل عزت اور اصل فخر تو وہ ہے جو قوم کے دل میں کیانی کے لئے ہے۔ خدا شہید کے درجات بلند کرے۔ اسکی زندگی بھی پرخلوص تھی۔ انجام بھی پرخلوص ہوا۔

بھتیجے کی یادیں

کرنل حقنواز شہید کے بھتیجے پروفیسر محمد آزاد بخت کیانی نے ایک انٹرویو میں بتایا۔
جب ۶۵ء کی جنگ میں کمانڈو ایکشن کے لئے جانے لگے تو گھر والوں سے کہا اگر میں شہید ہو جاؤں تو مجھے (کوہاٹ میں) پیر صاحب گھمکول شریف کوہاٹ میں دفن کیا جائے۔

۵۶ء میں جب میں گارڈن کالج سے ایف ایس سی کر رہا تھا تو میں نماز کا بڑا پابند تھا اور شام کو کھیلوں وغیرہ کے لئے بھی گھر سے کم ہی نکلتا تھا۔ چچا حقنواز ایک روز شام کو آئے میں عصر کی نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ نماز میں کچھ دیر لگی یا انہیں محسوس ہوئی۔ جب میں نے سلام پھیرا تو کہنے لگے نمازیں بھی پڑھتے رہے ہو کچھ اور بھی کیا کرو۔ اس واقعہ کے چار چھ برس بعد غالباً ۶۲ء کی بات ہے کہ میں انگریزی ادب کے مطالعے کے زیر اثر کچھ نماز روزے میں غفلت برتنے لگا تھا چچا حقنواز سے ان کے سالے ڈاکٹر مقصود کی کوٹھی پر ملاقات ہوئی جمعے کی نماز کا وقت تھا۔ چچا نماز کی تیاری کرنے لگے تو میں نے ادھر ادھر ہونا چاہا۔ پوچھنے لگے نماز کو نہیں جانا۔ میں نے بہانا بنایا کہ کپڑے ٹھیک نہیں۔ وہ سمجھ گئے کہ میں کترا رہا ہوں بولے۔ پہلے تو تم نماز کے بہت پابند تھے اب سست کیوں ہو گئے ہو؟ میں نے چھ برس پہلے کا واقعہ یاد دلایا کہنے لگے وہ دور ہی جہالت کا تھا۔ پیر صاحب کے فیض سے میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔

ان کی بیٹی پروین کی شادی پر میجر ارشاد کے ہاں ولیمہ تھا۔ یہ ۷۰ء کی بات ہے کشمیر کا ذکر آ

گیا۔ کشمیر کے معاملے میں وہ بہت جذباتی تھے۔ کشمیر کی آزادی سے انہیں جنون کی حد تک دلچسپی تھی۔ میں نے کہا مقبوضہ کشمیر کیسے آزاد ہوگا۔ کہنے لگے ایک ہی طریقہ ہے اگر ہم سب کفن سر پر باندھ لیں تو کشمیر آج آزاد ہو سکتا ہے۔

۷۱ء کی جنگ چھڑنے پر جب انہیں دوبارہ فوج میں بلایا گیا تو شہادت سے چند روز پہلے انہوں نے سب قریبی عزیزوں کو خط لکھے۔ اپنے پھوپھی زاد بھائی اور میجر ریٹائرڈ یعقوب صاحب کو لکھا۔

میں اس عمر میں اپنا بوجھ آپ پر ڈالے جا رہا ہوں۔

مارچ ۷۲ء کا واقعہ ہے کہ ہمارے کالج میں کسی تقریب میں آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار عبدالقیوم تشریف لائے۔ میں نے انہیں چچا کی پہلی برسی پر تشریف لانے کی دعوت دی۔ فرمایا کشمیر کا بچہ بچہ حقنواز کو جانتا ہے۔ میں خود ان سے شہادت سے پہلے ملا تھا۔ مجھے اسی وقت انکے تیور دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ شخص ضرور شہادت پائے گا۔

ایک مرتبہ ۶۵ء کے کمانڈو ایکشن کا قصہ چھڑ گیا تو بتلانے لگے کہ وہ ایکشن ہم نے تہجد کی نماز کے بعد شروع کیا۔ اسوقت "لالے" اور "سنگھ" اپنے اشنان وغیرہ میں مصروف تھے۔ ہم نے ان کو اچانک جا لیا اور تمام کمپنی کا صفایا کر دیا۔ ایک انڈین کرنل جو پاکستان کو غسلخانے سے تنبیہ دیتا تھا۔ وہیں غسلخانے میں جہنم واصل کیا۔ اس ایکشن میں ہمارے صرف چند مجاہد شہید ہوئے تھے۔ ایک مقام پر وہ بہت جذباتی ہو گئے۔ جب انہوں نے بتلایا کہ کسطرح کشمیری بڑھیا نے ان کو پناہ دی اور ان کی کامیابی کی دعا مانگی۔ کیانی شہید کہنے لگے کہ ہماری کامیابی ان بزرگوں کی دعاؤں کی مرہون منت تھی۔

آخر میں یہ بتاؤں کہ وہ بدلے کیسے۔ چونکہ مجھ سے بے تکلف تھے اکثر اپنے دل کی باتیں مجھ سے کر جاتے تھے۔

بیوی کے نام کے نفل

ایک روز میں نے پوچھ ہی لیا۔ چچا جان سنا ہے آپ جوانی میں بڑے مختلف ہوا کرتے تھے؟

آخر یہ انقلاب کیسے آیا تو کہنے لگے کہ بیٹا یہ سب تبدیلی تمہاری آنٹی کی وجہ سے آئی ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ "عنایت" میری شریک حیات ہے ورنہ پتہ نہیں کیا ننگ ہوتا۔ وہ اللہ کی اس عنایت کا شکریہ مغرب کی نماز کے بعد اسطرح ادا کرتے تھے کہ دو نفل اپنی بیوی کے نام کے بھی پڑھتے تھے۔

دُعا کی تاثیر

مجھ سے ایک بار ۶۵ء کے کمانڈو ایکشن کا پورا واقعہ بیان کیا جس کے لئے پہلا ستارۂ جرأت دیا گیا تھا پھر کہنے لگے۔ "سنو بیٹے ہمیں کیوں کامیابی ہوئی؟ پھر خود ہی وضاحت کی۔ جب میں ایکشن سے واپس آرہا تھا تو راستے میں کشمیر کی ایک بزرگ خاتون ملیں میرے سر پر ہاتھ پھیرا مجھے دعائیں دیں۔ اور کہا بیٹا اللہ تمہیں کامیاب کرے گا۔ پھر مجھ سے کہا۔ آزاد! یہ ان بزرگ ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میں ان خطرناک حالات میں کامیاب ہوا اور سنو! جب وہ خاتون مجھے دعائیں دے رہی تھی تو مجھے بالکل ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بے جی مجھے دعائیں دے رہی ہیں۔ یاد رکھو بزرگوں کی دعاؤں میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔"

۴۸ء کی کشمیر کے جہاد آزادی میں شادی کے تیسرے دن محاذ پر چلے گئے تھے ایک پہاڑی پانڈو پر ایکشن کیا تھا۔ چچا اپنی پھرتی اور تیزی کی وجہ سے کبوتر کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

۵۹ء کراچی میں تھے تو بدل چکے تھے۔ گھر میں پیر بھائیوں کے ساتھ اونچی آواز سے اللہ ہو کا ورد کرتے تھے جو بعض کو پسند نہیں آتا تھا۔

چچا شاہ خرچ تھے۔ جمع بھی کچھ نہیں کیا تھا جب ۷۱ء میں لام پر جانے لگے تو مسز نے کچھ مالی تردد کا اظہار کیا جواب میں کہا شاید میں واپس نہ آؤں لیکن پیسہ بہت آئے گا۔ گھبراؤ نہیں۔ خوشامد پسند بالکل نہیں تھے۔ بلکہ حد درجہ کے منہ پھٹ تھے۔

عملی زندگی میں ریشم کی طرح نرم تھے۔ ایک دفعہ گاؤں مرا پنڈ گئے۔ ایک چچی کسی وجہ سے

ناراض بھی ہیں انہوں نے کنکریاں تک پھینکیں۔ یہ سب کچھ سہتے رہے بلکہ معافی کے خواستگار ہوئے۔

چچا کے والد صوبیدار صاحب ۳۸ برس کی عمر میں لڑائی میں کام آئے تھے جب خود ۳۸ برس کے ہوئے تو والدہ سے کہا کرتے تھے کہ اب میرا وقت دور نہیں۔

یہ واقعہ میں نے سنا ہے کہ ۶۲-۱۹۶۱ء کی محاذ آرائی میں سیالکوٹ جموں سیکٹر میں دشمن کے عین سامنے پلٹن کے ساتھ جمعے کی نماز پڑھی کسی نے کہا اُدھر سے گولیاں آرہی ہیں اور آپ سب نماز کے لئے کھڑے ہیں حضور نے کہا اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہوگی کہ ہم نماز پڑھتے ہوئے شہید ہو جائیں۔

بہت تیز ڈرائیو کرتے تھے ایک روز یعقوب صاحب کو پیچھے بٹھا کر سکوٹر چلا رہے تھے۔ یعقوب صاحب نے یہ کہہ کر ساتھ بیٹھنے سے انکار کر دیا تمہیں تو زندگی نہیں چاہیئے مجھے تو چاہیئے۔

پروموشن سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ ۶۵ء کے بعد ستارۂ جرأت کی وجہ سے لیفٹیننٹ کرنل ہوئے تھے اس کے بعد بھی ملازمت کے آداب نبھا نہیں سکتے تھے۔

داماد کی باتیں

میجر محمد ارشاد کرنل کیانی کے داماد ہیں۔ ان کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ ۷۱ء کی جنگ کے بعد یہ بھارت کی قید سے فرار ہو کر سب سے پہلے پاکستان پہنچے یہ واقعہ کیانی شہید کی پہلی برسی پر کا ہے اس جرأت مندانہ اقدام کے لئے انکو تمغۂ جرأت دیا گیا میجر ارشاد لکھتے ہیں۔

بھارت کے خاردار کیمپ سے فرار ہونا ایسا کام تھا جس میں کامیابی کا تناسب ایک اور دس کا تھا مجھے یہ خطرہ مول لینے کی جرأت کیانی صاحب کی تعلیم و تربیت سے ہوئی۔ وہ مجھ سے کہا کرتے تھے "ارشاد! لڑائی میں دشمن کا مقابلہ آگے بڑھ کے کرنا چاہیئے۔ پھر کہتے موت برحق ہے لیکن سب سے اچھی موت میدان کارزار میں جرأت مندانہ موت ہے۔"

وہ بہت ہی کامیاب کمانڈر تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے دل میں آگ بھر دیا کرتے۔ انکی قیادت کا راز یہ تھا کہ وہ خود آگے آگے رہتے تھے۔ جو دوسروں سے کروانا ہوتا، وہ سب سے پہلے اور سب سے بہتر خود کرتے تھے۔

بچوں کی تربیت کرنے کا بھی ان کا یہی طریقہ تھا۔ وہ چاہتے تھے بچے اپنے ماں باپ کا ادب کرنا سیکھیں اور انکی خدمت کریں۔ یہ سبق انہوں نے اپنے بچوں اور ہمیں اسطرح سکھایا کہ انہوں سال دو سال نہیں پورے تیس برس تک اپنی سوتیلی ماں کی خدمت بھی اسطرح کی کہ کوئی سگی ماں کی خدمت کیا کرے گا۔ خدمت میں اور محبت میں ان کا جواب نہ تھا۔ آخر زمانے میں انہیں تصوف سے بڑی دلچسپی ہو گئی تھی لیکن ان کا تصوف عملی زندگی کا تھا۔

شہادت کی تمنا

صوبیدار میجر محمد محبوب لکھتے ہیں۔

حضور کیانی میرے پھوپھی زاد بھائی بھی اور پیر بھائی بھی۔ میں نے انکی خلوت وجلوت کے بہت سے ایسے جلوے دیکھے ہیں جو شاید دوسروں نے نہ دیکھے ہوں۔ شہادت کی عشق کی حد تک جو شدید تمنا آخری سالوں میں ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ اسکو سمجھنا اسوقت تک ممکن نہیں جب تک انکے دل کے نہاں خانے میں نہ جھانکا جائے۔

اصل میں وہ صوفیا کیطرح اپنے جسمانی وجود کو اپنے اور اپنے محبوب حقیقی کے درمیان ایک حجاب تصور کرتے تھے۔ وہ شہادت کے ذریعے اس پردے کو اٹھانا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ اتنے بے چین تھے کہ کوئی اپنے مجازی محبوب کے بارے میں کیا ہو گا۔ ایک دور وہ تھا جب نئے نئے پیر صاحب گھکول شریف سے بیعت ہوئے تھے۔ وہ دن انکے جذب وشوق کی سرمستی کے دن تھے۔ یہ غالباً ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ میں بھی ان دنوں سگنلز کی ایک بٹالین کے ساتھ ملیر کراچی میں تعینات تھا۔ اکثر

سر شام گھکول کے بہت سے مرید جن میں ہر سماجی مرتبے اور درجے کے لوگ تھے. ان کے یہاں جمع ہوتے تھے اور رات گئے تک اللہ ہو۔ اللہ ہو کا ورد چلتا. اکثر وہ اپنی یونٹ سے واپس آکر ایک کمرہ میں بند ہو جاتے اور دنیا مافیہا سے بے خبر اپنے ورد و ظائف میں مصروف بلکہ مستغرق رہتے. اس زمانے میں وہ اپنے گھر بار کی ساری ذمہ داریاں ایک طرح سے خیر باد کہہ چکے تھے گھر داری اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا سارا بوجھ بیگم حقنواز کے کندھوں پر تھا. اس صورتحال سے ان کے سارے عزیز و اقارب اور دوست احباب پریشان تھے. خدا بھلا کرے ریلوے جی پی آر کے اکاؤنٹنٹ جنرل صوفی سرفراز خان کا کہ وہ بھی صاحب دل اور صاحب نظر بزرگ تھے. وہ ایک آدھ بار ملنے آئے تو کیانی کو اپنے اشغال روحانی میں مصروف پایا. انکو جب پتہ چلا کہ صورت حال یہ ہے کہ تو انہوں نے قرآن و حدیث کے حوالے سے بڑے عالمانہ انداز میں کیانی صاحب کو سمجھایا کہ روحانی ترقی کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ انسان اپنی خاندانی اور انسانی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دے. یہ تو رہبانیت ہے اس سلسلہ میں انہوں نے رسول کریمؐ کے اسوۂ حسنہ کو دلیل بنا کر انہیں سمجھایا تو حقنواز نے پھر سے نارمل ہو گئے لیکن دل کی لگی بجھی نہیں. دست بکار دل بہ یار، انکی زندگی کی صورت تھی۔

۱۹۷۰ء میں ریٹائر ہو کر منگلا میں تھے جہلم سی ایم ایچ کے قریب کاشت کے لئے پٹے پر زمین کے لئے تگ و دو کر رہے تھے. بظاہر ان کے حالات ٹھیک ٹھاک تھے لیکن پھر بھی بے چین سے رہتے تھے ایک روز جہلم کے ایک دوست راجہ خداداد خان نے ان سے پوچھا. کیانی صاحب سب کچھ خدا نے دیا ہے اب آپ اور کیا چاہتے ہو؟

کرنل کیانی نے بے ساختہ کہا. شہادت

اظہار میں ہے اور نہ عرض بیاں میں ہے
وہ کیف وانبساط جو ربط نہاں میں ہے
پردے تکلفات کے تو اٹھ گئے تمام
لیکن ابھی حجاب سا کچھ درمیاں میں ہے

۱۹۷۱ء کی جنگ میں جب دوبارہ جنگ پر جانے لگے تو گھر کے ہر فرد سے فرداً فرداً رخصت ہوتے کسی کے سر پر ہاتھ پھیرا کسی کو سینے سے لگایا کسی کو پیار کیا لیکن جب بوڑھی ماں کے پاس پہنچے تو انکے پیروں پر گر گئے۔ انہوں نے گلے لگا کر دعائیں دیں بولا تجھے جیتا رکھے۔ خیر نال جا، خیر نال آ۔ اللہ تجھے اپنی امان پر رکھے۔ حقنواز نے سر جھکا کر کہا۔

بے جی! یہ دعا کریں کہ مجھے شہادت مل جائے۔

بھائی حقنواز سے میری آخری ملاقات یا گفتگو فون پر ہوئی۔ یہ ۱۹۷۲ء مئی کی بات ہے۔ میں چھمب میں تعینات تھا۔ ان کی بیٹی سیمی کی شادی ۵ مئی ۱۹۷۲ء کو قرار پائی تھی۔ میں فون پر اس سلسلے میں مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہتا تھا تاکہ وقت پر بیٹی کی شادی میں شرکت کر سکوں۔ خلاف معمول انہوں نے بہت مختصر گفتگو کی۔ جس میں سیمی کی شادی کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اسوقت وہ لیپا دیلی میں آپریشن کی تفصیلات طے کرنے میں لگے ہوئے تھے اور اپنی بیٹی کے بارے میں سوچنے کا ان کے پاس وقت نہیں تھا۔ سب کو معلوم ہے ۵ مئی کو جس وقت سیمی کو ڈولی میں بیٹھنا تھا باپ کا تابوت گھر پہنچا تھا۔

مجاہد راج محمد کی یادیں

۱۹۶۵ء کی جنگ میں جن دو کشمیری لڑکوں کو حقنواز کیانی نے اپنا بیٹا بنایا تھا۔ انہوں نے واقعی بیٹا بنا کے رکھا بھی۔ ان دونوں کو زمینیں الاٹ کروائیں، شادیاں کروائیں غرضیکہ ہر طرح اولاد کیطرح رکھا۔ جو کچھ کیانی شہید نے ان مجاہدوں کے لئے کشمیر اور پاکستان کے ناطے سے کیا۔

مجاہد راج محمد پانچ چھ برس ہمزاد کیطرح کیانی شہید کے ہم رکاب رہے۔ جتنے قریب سے راج محمد نے دیکھا اور پرکھا۔ اتنا کسی اور نے نہیں دیکھا اور پرکھا۔ اس لئے ہم نے راج محمد سے

ایک طویل انٹرویو لیا۔ حقنواز کی شخصیت و کردار پر اگر کچھ اور نہ بھی کہا یا لکھا جائے تو صرف یہی ایک انٹرویو ان کے تابناک کردار کے تعارف کے لئے کافی ہے۔ یہ تفصیلات وہ ہیں جن سے انکے گھر والے بھی بے خبر تھے۔ اس ضروری تمہید کے بعد مجاہد راج محمد کا انٹرویو حقنواز کے خاندان کے ایک فرد کی سی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔

سوال :- آپ کو کرنل حقنواز کے ساتھ ۶۵ء سے ۷۲ء تک رہے۔ انہوں نے آپ کو اولاد کی طرح پالا اور پرورش کی۔ آپ کا اور عام کشمیریوں کا ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب :- میں تو یہ کہوں گا کہ اس دنیا میں میں نے کوئی ایسا نیک اور دلیر انسان اب تک نہیں دیکھا۔ بہادری دلیری اور نیکی ان پر ختم تھی بڑے سخی غریب پرور تھے۔

سوال :- ابھی آپ نے کہا ہے کہ بڑے سخی اور غریب پرور تھے۔ یہ نتیجہ آپ نے جن واقعات معاملات سے نکالا ہے۔ انکی دو ایک مثالیں دے سکیں گے۔

جواب :- جناب کرنل صاحب تو سخی بادشاہ تھے مظفر آباد کشمیر کے بچے بچے کی زبان پر ان کا نام ہے ہم لوگ تو انکو فرشتہ سمجھتے تھے پیر بادشاہ بلکہ اس سے بھی بڑھکر۔ صرف ایک واقعہ سناتا ہوں (انکو آپ اپنی زبان میں لکھ لیجئے گا) ۱۹۴۸ء میں جب کرنل صاحب لفٹین تھے اور کشمیر کے علاقے پانڈو میں جنگ کر رہے تھے تو وہاں انہیں تلی ملا تھا کالا خان نام تھا اس کا۔ انکی پلٹن کا کچھ سامان ڈھونے کا کام کرتا تھا کہ صاحب سے میل ملاپ ہو گیا تھا۔ ۶۵ء کی جنگ ستمبر میں اس سے پھر ملاقات ہوئی۔ کیٹھائی کے مقام پر کرنل صاحب نے اسے ملازم رکھا۔ مجاہدوں میں، اب بڑھا ہو چکا تھا اور موضع مظفر آباد چناری میں رہتا تھا۔ فروری ۷۱ء میں میں انکے ساتھ تھا۔

ہم بریگیڈ کے ساتھ چاری بازار سے گزر رہے تھے۔ کرنل صاحب کو کچھ یاد آ گیا گاڑی رکوا کر کالا خان کے بارے میں پوچھا کہ کالا خان کہاں ہے۔ دو کانداروں نے بتایا کہ وہ تو فوت ہو گیا ہے۔ یہ سن کر صاحب گاڑی سے اتر پڑے۔ مجھ سے بولے چلو بیٹے کالا خان کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ پوچھتے پوچھتے کالا خان کی قبر پر پہنچے۔ قبر کا بُرا حال تھا۔ بیچ سے مٹی پھٹی ہوئی تھی۔ کہنے لگے خدا کسی کو غریب نہ کرے پھر اسی طرح وردی میں ادھر ادھر سے پتھر اٹھائے مٹی جمع کی اور قبر کی مرمت کرنے لگے۔ ایف ایف آر کا ایک حوالدار ساتھ رہا، کہنے لگا صاحب آپ کرنیل ہو کر قبر پر مٹی پتھر ڈال رہے ہیں۔ یہ کام ہم نے کرنا ہے۔ کیانی صاحب نے کہا نہیں یہ کام میں خود اپنے ہاتھ سے کام کروں گا۔ قبر پر دو چار پتھر جما کر ہم نے فاتحہ پڑھی پھر کالا خان کے گھر گئے۔ اسکی بیوہ اور بچوں کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ کیانی صاحب نے بیوہ کو پانچ سو روپے دیئے اور بچوں کو سو سو روپے دیئے۔ مظفر آباد میں بریگیڈ ہیڈ کوارٹر تھا۔ وہاں سے ایک بار پھر مجھے لے کر آئے اور کالا خان کی قبر کے آس پاس سیب کے درخت لگوائے۔ کہنے لگے جو سیب کھائے گا۔ کالے خان کو یاد کریگا۔

بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں یہ خبر پھیل گئی تھی۔ دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہیں کچھ ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ اس شخص کو اپنی کرنیلی کا لحاظ نہیں۔ اپنے ہاتھ سے پتھر ڈھوتا ہے اور مٹی چڑھاتا ہے۔ لیکن عام کشمیری ان پر جان دیتے دیتے تھے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے لوھواری تحصیل منڈواڑہ مقبوضہ کشمیر کا ایک شخص تھا عباس نام تھا اسکا۔ اسکی ایک ٹانگ ۶۵ء میں بارودی سرنگ سے اڑ گئی تھی۔ زخم خراب ہو گیا تھا۔ بیچارہ سویلین تھا۔ اس کا علاج سی ایم ایچ میں نہیں ہو سکتا تھا۔ کیانی نے اپنے پیسوں سے اس کا علاج مظفر آباد کے ہسپتال میں کرایا۔ جب ہسپتال سے باہر آیا تو پندرہ سو روپے نقد دیئے۔ اور کہا ان سے کام چلاؤ۔ وہ ایسا بدقسمت تھا کہ اس کا کام نہ بنا قریباً ایک سال بعد چاری بازار سے گزر رہے تھے کہ عباس کو نہایت خستہ حال میں سڑک کے کنارے بیٹھے دیکھا پہچان لیا۔ پوچھا کیا

حال ہے۔ وہ رو پڑا۔ کہنے لگا بالکل خالی ہوں کبھی فاقہ کبھی روٹی۔ کرنل صاحب اسکو گاڑی میں بٹھا کر اپنے ساتھ مظفر آباد لے آئے۔ دو تین ہفتوں میں اسکو دو کمرے رہنے کے لئے بنوا کر دیئے اس سے پوچھا کیا کرو گے؟ اس نے کہا چائے خانہ چلا سکتا ہوں۔ کرنل صاحب نے آٹھ سو روپے لگا کے کچھ سامان اسے سی ایس ڈی سے خرید کر دیا کچھ بازار سے لیا اور اسکو چائے کی دوکان کھلوا دی۔ وہ عباس خان اب خوشحال ہے اور کرنل صاحب کو دعائیں دیتا ہے۔

کرنل بڑے اللہ لوگ تھے کافروں سے لڑنا اور اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنا انکے یہی دو کام تھے راتوں کو بہت کم سوتے تھے۔ عشا کے بعد ذکر کرتے تھے اللہ ہو، اللہ ہو۔ کبھی اکیلے کبھی بیسیوں، بلکہ سینکڑوں ان کے ساتھ رات گئے تک ذکر کرتے رہتے تھے۔ تہجد بلاناغہ پڑھتے تھے۔ باوضو رہتے تھے لیپا والے ایکشن میں سر پر کفن باندھا ہوا تھا۔ جب لڑائی کے لئے نکلے وہ نفل پڑھ کے باوضو نکلے تھے۔

لیپا میں منڈل کے مقام پر انہوں نے ایک مسجد بنائی تھی۔ دوپہر کی نماز کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے تک خود پتھر ڈھو کر لاتے تھے۔ کھوئی رٹہ میں بھی انکی پلٹن نے بڑی شاندار مسجد بنائی تھی۔ اس مسجد کے بنانے میں بھی کرنل صاحب نے مزدوروں کیطرح کام کیا تھا۔

سوال :- کچھ آپ بھی اپنے بارے میں بتایئے کہ آپ کے ساتھ کرنل صاحب نے کیا کیا سلوک کئے؟

جواب :- کرنل صاحب تو ہمارے لئے ہمارے مائی باپ بلکہ ان سے زیادہ تھے یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ ۶۵ء کے جہاد کشمیر میں ہم دونوں (میں راج محمد اور امام دین) کرنل صاحب کے ساتھ ہوتے۔ پھر حالات ایسے ہوئے ہمیں اپنا گھر بار بارہ مولا میں چھوڑنا پڑا۔ پھر کرنل صاحب نے ہمیں ۲۴ مجاہد کمپنی میں بھرتی کرا دیا۔ کرنل صاحب جنگ کے بعد مجھے اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ کرنل صاحب لاہور میں ۱۰۲ بریگیڈ میں تھے اور ایسٹ پاکستان

تبادلہ ہونے والا تھا. ایک روز کرنل صاحب نے پوچھا مجاہد اب کیا کرو گے میں تو مشرقی پاکستان جانے والا ہوں. میں نے کہا میرا خیال ہے ڈرائیونگ سیکھ لوں اور ٹیکسی چلاؤں. بولے کتنا روپیہ ہے. میں نے کہا تین ہزار اور یہ روپے انکے حوالے کئے. اس میں کچھ پیسہ تو انہی کا دیا ہوا تھا اور کچھ باقی تنخواہ کا جمع کیا ہوا تھا. کرنل صاحب ایک دن مجھے پنڈی لے گئے اور وہاں مورس ساڑھے سترہ ہزار روپے میں خرید کر دی. میں اسکی قیمت سے کچھ ہچکچایا. کہنے لگے تم روپے کی فکر نہ کرو اپنی پسند کو دیکھو. کرنل صاحب دفتر سے آکر مجھے خود ڈرائیو سکھاتے تھے. بریگیڈ ہیڈکوارٹر کے ایک افسر نے کہا بھی کرنل صاحب آپ کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں. انہوں نے اسے بڑی جھاڑ پلائی کہا یہ میرا ذاتی معاملہ ہے آپ دخل نہ دیں کئی مہینے تک وہ مجھے کار ڈرائیو کرنا سکھاتے رہے ایک آدھ بار استاد کی طرح مارا بھی. پھر ای پی آر میں جانے سے پہلے پنڈی میں مجھے ایک ڈرائیور کے سپرد کر گئے کہ اسکے ساتھ کام کرو اور ساری فالتو آمدنی اسے دو. کرنل صاحب. ۱ مہینے بعد بنگال سے واپس آگئے میں نے کہا اب آپ آگئے تو مجھے ٹیکسی کا کیا کرنا میری دلچسپی اس میں نہیں تھی چنانچہ کار فروخت کر دی پھر تقریباً سال بھر لاہور میں برکی کے علاقے میں ان کی زمین پر کام کیا. پھر ۱۹۶۸ء میں کھاریاں واپس آگئے. ۶۹ء میں انہوں نے جہلم میں کچھ زمین پٹے پر لی. اس پر کام کرنے لگا. ٹریکٹر وغیرہ چلاتا تھا. ان دنوں کرنل صاحب ۱۰. اے کے رجمنٹ میں کھوئی رٹہ میں تھے. مہینے کے مہینے آتے تھے. ایک روز مجھے دوپہر کو روٹی پکاتے دیکھا تو بولے یہ کیا تم خود روٹی پکاتے ہو. دیکھو اس بات کا تو خیال ہی نہیں رہا. اچھا اس کا بھی انتظام کرتے ہیں. چنانچہ کرنل صاحب کے گھر والوں نے میری شادی کرا دی. ۱۰ تولے زیور دیا اور گیارہ جوڑے کپڑے جب

کرنل صاحب چھٹی پر آئے تو ۱۰۰ روپے سگریٹوں کے لئے دیئے اور ایک ہزار روپیہ ادویہ کے خرچ کے لئے دیا۔ کرنل صاحب نے ۱۱۰۰ روپیہ مجاہد کمپنی چھوڑتے وقت بھی مجھے دلوایا تھا۔

نومبر ۷۱ء میں جب دوبارہ جنگ پر بلوایا گیا تو میرے پاس آئے بولے بیٹے چلو پھر وقت آن پہنچا۔ کچھ کرنے کا۔ میں انکے ساتھ منگلا آ گیا۔ جب رخصت ہونے لگے تو انکی والدہ نے کہا کسی ریکارڈ آفس یا سنٹر میں رہنا آگے نہ جانا۔ یہ سنکر انہوں نے اپنی بڑی ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور کہا میں کوئی کلرک نہیں کہ سنٹر میں یا ریکارڈ آفس میں کام کروں۔ آپ نے مجھے پال پوس کر اتنا بڑا بال بچوں والا کیا۔ آج آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں یہ تو مجھے داغ لگانے والی بات ہے منگلا سے وہ ایبٹ آباد گئے میں مانسر گیا۔ پھر مظفر آباد گئے ایک دو ماہ چکوٹی میں رہے پھر انہوں نے لیپا میں کمان سنبھالی۔

کرنل صاحب اور انکے خاندان والوں خاص کر میجر یعقوب کی کوششوں سے ہم دونوں مجاہدوں کو آدھا آدھا مربع شور کوٹ ضلع جھنگ میں زمین ملی ہے۔ بال بچوں کے ساتھ رہتا ہوں اور اس سخی اور درویش افسر کو دعائیں دیتا ہوں حقنواز ایسے لوگ کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان ایسا دلیر آدمی میں نے نہیں دیکھا اور ان ایسا داتا بھی۔

حقنواز کیانی شہید، دوستوں، ساتھیوں اور ہمعصروں کی نظر میں

۵۸۵۔ بریگیڈیئر محمد صادق خان کی یادیں

ایک چیز مقناطیسی شخصیت بھی ہوتی ہے حقنواز کیانی صحیح معنوں میں ایک مقناطیسی شخصیت کے مالک تھے جن لوگوں کو حقنواز کیانی کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ وہ کبھی انہیں نہیں بھول سکتے۔ وہ جلال و جمال کا ایک عجیب دلپذیر مرکب تھے اور رعب۔ ان پر تصوف و درویشی

کا غلبہ ہوا تو یہ اقبال کے مرد مجاہد کی ایک عملی تصویر بن گئے تھے۔

۱۹۴۲ء میں کیانی سے رسمی تعلقات پیدا ہوئے۔ بعد کو ان تعلقات نے غیر رسمی اور برادرانہ تعلق کی صورت اختیار کر لی۔ اس تعلق پر مجھے فخر ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

کیانی ملٹری کالج کے بہترین طالبعلموں میں سے ایک تھے اور اپنے وقت کے غالباً بہترین۔ ۱۹۴۲ء میں کالج کی بٹالین کے پہلے ایجوٹینٹ مقرر ہوئے تھے۔ ۱۹۴۳ء میں کالج کے ہیڈ بوائے رہے۔ حقنواز کیانی کے سینئر کیڈٹ آفیسر ہونے کی آن بان کو اس دور کا کوئی کیڈٹ بھول نہیں سکتا۔ کرنل ٹی ایچ ایل اسٹینگ کمانڈنٹ تھے۔ وہ ڈسپلن کی سخت ترین کلاسیکی روایتوں پر یقین رکھتے تھے۔ اسی کے مطابق وہ ہماری تربیت کرتے تھے۔ حقنواز پر وہ خاص طور پر مہربان تھے۔ اس لئے ان کی تربیت انہوں نے سخت ترین اصولوں کے مطابق کی۔

حقنواز اکھرے بدن کے تھے لیکن توانائی ان میں بہت زیادہ تھی۔ اسی وجہ سے وہ کالج کی ہاکی، فٹ بال، باکسنگ ٹیم میں تھے۔

اس زمانے میں کمیشن کے لئے چیدہ چیدہ لڑکوں کو بھیجا جاتا تھا۔ حقنواز ان پہلے بیچ میں سے تھے۔ جسے براہ راست کمیشن کے لئے او ٹی ایس مہو بھیجا گیا۔ او ٹی ایس مہو سے انہیں راجپوتانہ رائفلز میں کمیشن ملا جو بجائے خود ایک اعزاز تھا چونکہ رائفلز میں نمایاں کارکردگی کے حامل افسروں کو لیا جاتا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد حقنواز کو پاکستان آرمی کی نامور ۱۴ بلوچ (بعد کو ۱۱) بلوچ رجمنٹ میں پوسٹ کیا گیا۔

۱۹۵۰ء میں کمیشن ملنے کے بعد مجھے بھی ۱۴ بلوچ (اب ۱۱ بلوچ) میں پوسٹ کیا گیا۔ ۱۱ بلوچ اس زمانے میں ایبٹ آباد میں تھی جب میں ایبٹ آباد پہنچا تو ایک بار پھر حقنواز کیانی کا ساتھ ہوا اور بہت قریب سے انہیں دیکھنے کا موقعہ ملا کسی کو قریب سے دیکھنے کا نتیجہ عموماً اچھا نہیں ہوتا۔ دور کے ڈھول، سہانے والی بات ہوتی ہے لیکن حقنواز کو قریب سے دیکھ کر میرے دل میں انکی قدر اور عزت بڑھنے لگی۔ وہ اپنے غیر سب کے لئے ایثار کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ جب خرچ کرنے پڑتے تو آگے

پیچھے نہیں دیکھتے تھے مصلحت کسی قسم کی ہو ایک ایسی چیز تھی جس کے وہ قائل نہیں تھے۔

چھ سال کے بعد میں نے ان کے اندر ایک واضح تبدیلی محسوس کی یہ تبدیلی روحانیت اور تصوف کی طرف تھی اور اس میں بھی شدت تھی روحانیت اور تصوف کی طرف رجحان کوہاٹ کے پیر صاحب کا فیضان تھا جو ایک عرصے سے اس پلٹن سے وابستہ تھے اور ایک لحاظ سے پوری پلٹن کے پیر تھے لیکن جو اثر حقنواز پر ہوا وہ کسی پر نہیں ہوا۔ وہ فنا فی الشیخ کے درجے پر پہنچے ہوئے تھے پیر صاحب ہی نے انہیں مجاہد بنایا اور اسلام کی خدمت کے جذبے سے سرشار کیا اور شہادت کے رموز سے آگاہ کیا شہادت پانے کی جو تڑپ حقنواز کے دل میں تھی وہ کم ہی کسی کے دل میں پیدا ہوئی ہوگی۔

جہاد سے انہیں شوق نہیں عشق تھا۔ اپنی پلٹن میں وہ ہمیشہ اپنے آدمیوں کو کافروں سے جہاد کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے اور اس خلوص و جذبے سے تلقین کرتے تھے کہ ہر ایک دل میں جہاد کی تڑپ پیدا ہو جاتی تھی کشمیر انکی منفعت کا خاص مرکز تھا۔ ۱۹۴۸ء کے کشمیر جہاد کے آزادی میں بھی انہوں نے حصہ لیا تھا۔ ۱۹۶۵ء میں کشمیر آپریشن کے لئے والنٹیر کرنے والوں میں وہ سب سے پہلے تھے۔ ان کے گروپ نے دشمن کو سخت ترین نقصان پہنچایا۔ دشمن کی صفوں کے پیچھے جا کر اسکے ذرائع مواصلات کو درہم برہم کیا اور اسکے دفاعی مرکزوں کو نشانہ بنایا۔ ان انتہائی خطرناک مہمات میں حقنواز سب سے آگے ہوتے تھے۔ یہ انکی ذاتی جرأت اور قیادت کا اعجاز تھا کہ ان کے مجاہد ناقابل یقین حد تک حیرت انگیز کارنامے انجام دے سکے جس کے لئے انہیں ستارۂ جرأت بھی دیا گیا۔

حقنواز کو ہیروز کا ہیرو کہنا چاہیئے۔ وہ بڑے بڑے بہادروں سے بھی زیادہ بہادر اور جری تھے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو انکی مہمات کی تفصیلات سے واقف ہیں۔

اے کی جنگ میں کشمیر میں جو سب سیکٹر انہیں دیا گیا تھا۔ وہاں دشمن جارحانہ کاروائیاں کرتا رہا تھا اور ان میں ایک حد تک کامیاب ہو چکا تھا حقنواز نے آکر اسکے دانت کھٹے کئے اور کچھ علاقے پر دوبارہ قبضہ بھی کر لیا۔ لیپا ویلی کے اس حصے میں حقنواز نے ایک تاریخی لڑائی لڑی اور اسی تگ و دو میں شہید

ہوئے اور ایک بار ستارہ جرأت کے اعزاز سے سربلند ہوئے ایک چٹان پر حقنواز شہید ہوئے تھے۔ اب اس پہاڑی کا نام کیانی شہید چٹان رکھ دیا گیا ہے۔

حقنواز کے کردار میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ جو دل میں ہوتا تھا۔ وہی اسکی زبان پر ہوتا تھا۔ جو کہتے تھے وہی کرتے تھے۔ وہ جذباتی تھے اور بے حد جذباتی تھے لیکن انکی جذباتیت اپنے لئے نہیں، اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ انسانیت، شرافت، پاکستان اور اسلام کے لئے تھی اور یہی حقنواز کی عظمت کا راز تھا۔ اسی وجہ سے ان کے دوست ساتھی اور ماتحت ان پر جان نثار کرتے تھے۔

۷۴۸۔ بریگیڈیر محمد حیات ستارہ جرأت کے تاثرات

حقنواز کیانی مئی ۱۹۳۹ء میں کالج میں داخل ہوئے تھے اور پہلے اسکین ہاؤس میں گئے تھے۔ جنوری ۱۹۴۰ء میں جب انکی عمر بمشکل تیرہ برس کی ہو گئی تو ایک روز تار آیا کہ ان کے والد راجہ نواب رائٹلز کے صوبیدار اللہ دتہ قبائلی علاقے میں ایک جھڑپ میں کام آئے۔ یہ شخون وزیری قبائلیوں نے بنوں اور بہادر خیل سرنگ کے درمیان مارا تھا۔ اس المناک خبر سے سارے لڑکوں کو بہت دکھ پہنچا تھا۔ کالج میں اس دن عجب سوگوار فضا تھی۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ کیانی نے پہلے سال ہی میں اپنی جگہ بنا لی تھی۔ اس میں کیانی کی سمارٹ چلت پھرت اور خوش لباسی کو بڑا دخل تھا۔ کیانی باکسنگ رنگ کا شیر تھا بھپرے ہوئے شیر کی طرح مقابل پر جھپٹتا تھا۔ ہاکی بھی خوب کھیلتا تھا۔

۱۹۴۳ء کے بالکل اواخر میں کیانی نے او ٹی ایس ہو جانے کے لئے کالج چھوڑا۔ اسکے چار سال بعد کیانی سے میری ملاقات بڑے ڈرامائی حالات میں ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دسمبر ۱۹۴۷ء کی ۴ تاریخ تھی اور شام کا اندھیرا اچھلنے لگا تھا۔ ٹھنڈ اور کہر نے تاریکی کا احساس بڑھا دیا تھا اور میں نتھ سنگ اور پنڈی کے درمیان سڑک پر ایک پریشان کن صورت حال سے دوچار تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میں ایک بڑے بھاری ٹرک میں بنوں سے گرینیڈ اسلحہ اور بنڈلوں کی غذا کے کریٹ لے کے آزاد کشمیر جا

رہا تھا جہاں مجھے قبائلیوں کے لشکر کی کمان سنبھالنی تھی۔ بدقسمتی سے ایک موڑ کاٹتے ہوئے ٹرک الٹ گیا۔ میں اور ڈرائیور جو آگے بیٹھے تھے جیسے تیسے ٹرک سے نکل آئے۔ ہمارے معمولی چوٹیں تھیں لیکن اصل مسئلہ ایک جے۔ سی۔ او اور چند ان سی۔ اوز کا تھا جو ٹرک کے اندر بیٹھے تھے اور اب ٹرک کے نیچے آکر بری طرح پھنس گئے تھے۔ انکی جان سخت خطرے میں تھی۔ ہم دو اکیلے ان کو ٹرک سے نکال نہیں سکتے تھے۔ لمحہ قیمتی تھا کیا کیا جائے۔ اتفاق سے چند لمحوں بعد ہی ایک کار آتی دکھائی دی۔ کار کو دیکھتے ہی میری جان میں جان آئی کہ اب ہم ان لوگوں کی جان بچا سکیں گے۔ کار کو میں نے ہاتھ دیا۔ کار کا ڈرائیور خود بھی دیکھ سکتا تھا کہ ایک فوجی ٹرک الٹا پڑا ہے لیکن بجائے اسکے کہ ڈرائیور کار کو روکتا اس نامعقول نے کار کو اور تیز کیا اور کار کو اڑا لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ کار میں تین چار آدمی تھے۔ وہ چاہتے تو ہماری کما حقہ، مدد کر سکتے تھے لیکن انکی بے حسی اور بے دردی پر مجھے بہت غصہ آیا۔ یہاں چند جانوں پر بنی ہوئی تھی اور ان لوگوں کی بے حسی کا یہ عالم تھا۔ طیش میں آکر میں نے گاڑی سے ایک گرنیڈ نکالا اور طے کر لیا کہ اگر دوسری گاڑی والوں نے ایسا کیا تو میں انکی کار کو گرنیڈ سے اڑا دوں گا۔ ہمارے آدمی ٹرک کے نیچے پھنسے چیخ رہے تھے اور ہمیں کوئی انکو نکالنے والا نہیں مل رہا تھا۔ چند لمحے بعد فتح جنگ کی طرف سے ایک کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی دکھائی دی۔ میں نے کار کو دیکھتے ہی ڈرائیور کو حکم دیا تم ٹرک کو ایک طرف سے اٹھانے کے لئے جیک فٹ کرو اور میں خود سڑک کے بیچ ہینڈ گرنیڈ لے کے کھڑا ہو گیا اور ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ یہ ایک آرمی ٹرک تھا جو ہم سے چند گز کے فاصلے پر آکر رک گیا اور سامنے کی سیٹ سے کوئی اترا۔ روشنی کا رخ کچھ ایسا تھا کہ اترنے والے کو میں تو نہیں پہچان سکا لیکن ٹرک کی ہیڈ لائٹس میں اس نے مجھے پہچان لیا اور دور سے بولا حیات ماما تم ہمیشہ لڑنے کے موڈ میں کیوں رہتے ہو۔ گرنیڈ نہ پھینکنا۔ میں کیانی ہوں۔ آواز سے میں نے بھی کیانی کو پہچان لیا۔ پہلے گلے ملے پھر سب نے ملکر جوانوں کو ٹرک کے نیچے سے نکالا۔ کیانی ہمارے لئے فرشتہ رحمت بن کر آئے تھے۔ قدرت کے کھیل نرالے ہیں۔ پہلے گاڑی والے کے رویے سے میں اتنے طیش میں آگیا تھا کہ

دوسری گاڑی اگر نہ رکتی تو میں اُسے چھوڑتا نہیں۔ اس لمحے خدا نے ڈرامائی طور پر میرے پرانے دوست اور کالج کے ساتھی حقنواز کیانی کو بھیجا اور بگڑی بات بنا دی۔

کیانی کی آواز اور الفاظ "حیات خاناً" اب بھی برسوں بعد میرے کانوں میں گونجتے ہیں اب جبکہ میں واقعہ لکھ رہا ہوں وہ سارا منظر، وہ سرد اندھیری رات، وہ الٹا ہوا ٹرک، وہ زخمیوں کی چیخیں، وہ ہینڈ گرنیڈ لے کر سڑک کے بیچ کھڑا ہونا، وہ فتح جنگ کی طرف سے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس کا نظر آنا...... ساری تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ خود حقنواز کی ساری زندگی ڈرامائی تھی۔ غیر معمولی اور غیر متوقع قدم اٹھانا حقنواز کا معمول تھا۔

اس حادثے کے بعد پھر بیس اکیس سال تک ایک دوسرے سے ملاقات نہ ہو سکی یہ محض اتفاق تھا پھر غیر متوقع طور پر کوٹلی آزاد کشمیر میں ۱۹۶۹ء میں ہم دونوں پھر یکجا ہو گئے۔ میں وہاں بریگیڈ کمانڈر تھا کہ وہاں کیانی اے کے بٹالین کے کمانڈر کی حیثیت سے پوسٹ ہوئے اس سے ہم دونوں کو انتہائی خوشی ہوئی میں کیانی کی کالج کے زمانے سے قدر کرتا تھا۔ پھر جب میں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں انکے کمانڈو ایکشن کی تفصیلات سنیں تو میرے دل میں پاکستان کے اس بے نظیر مجاہد کی عزت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ میری خوش قسمتی سے میرا پرانا دوست اور کشمیر آپریشن کا ہیرو اب میرا رفیق کار تھا۔ اس سے بڑھ کر میرے لئے خوشی اور فخر کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ کالج میں کیانی مجھ سے ایک سال جونیئر تھے لیکن جب انہیں مجھ سے پہلے کمیشن ملا تو وہ میرے سینئر ہو گئے۔ بدقسمتی سے جب انہیں بریگیڈیئر کے عہدے پر ترقی نہیں ملی (جس کے وہ میری نظر میں پوری طرح مستحق تھے) تو وہ پھر میرے جونیئر ہو گئے۔

میں نے حقنواز کو بہترین بٹالین کمانڈر پایا۔ وہ فن حرب کے رموز سے خوب واقف تھے۔ وہ کتابی نہیں عملی کمانڈر تھے۔ بیشتر جنگی امور اور معاملات میں انکی رائے غیر روایتی اور انفرادیت لئے ہوئے رہتی تھی۔ اپنی شخصیت کے جارحانہ انداز کے باوجود کیانی کو میں نے بہت اچھا معاون کار پایا۔ ہم دونوں کی تدریس اور سوچ میں مطابقت تھی یا کیا بات تھی بریگیڈ کی جنگی تدبیر کاری ٹریننگ ہم دونوں مل کر کرتے تھے پروش

نہ ملنے یا میراجو نیئر ہو جانے سے ان کے ولولے اور جوش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ کیانی میں تندی و توانائی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی بلکہ جوش و ولولے اور شوقِ جہاد کی ایک آگ تھی جو انکی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی۔ ان کا جوش و خروش اور شوقِ جہاد آنا سچا اور کھرا تھا کہ ناممکن تھا کہ کوئی اس سے متاثر ہو۔ پوری بٹالین کے لہو کو کیانی نے گرما کے رکھ دیا تھا۔

اگست ۱۹۷۰ء میں کیانی کوٹلی سے ریٹائر ہو گئے ہیں نے ایل پی آر کے عرصے کے لئے لنگے سنگلا میں رہنے کا بندوبست کیا۔ اے کی جنگ میں جب انہیں دوبارہ فوجی خدمت کے لئے بلایا گیا تو معمول کے مطابق تو انہیں ریٹائرڈ افسر کی حیثیت سے کسی امن کے اسٹیشن پر متعین ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن ان کی مہم پسند اور خطر پسند طبیعت نے انہیں ایک بار پھر میدانِ جنگ میں پہنچا دیا جسکی روئیداد اب پاکستان کی عسکری تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش باب بن چکا ہے۔ کیانی ایسے سپاہی روز روز پیدا نہیں ہوتے بلاشبہ کیانی کی زندگی اور موت ایک اساطیری داستان کا درجہ رکھتی ہے۔

۷۵۲ لفٹیننٹ کرنل رشید احمد ستارۂ جرأت کے تاثرات

حقنواز کیانی سے میرے ایک نہیں کئی رشتے تھے۔ ایک تو قبیلے کا رشتہ وہ بھی گکھڑوں میں سے تھے۔ میرا تعلق اسی برادری سے ہے۔ ان سے رشتے داری کا رشتہ بھی تھا۔ جہلم میں ضلع بھی ایک ہی ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر ملٹری کالج میں چار سال ایک ساتھ گزارے۔ ۱۹۴۲ء میں کالج کی بٹالین کا سیکنڈان کمانڈ تھا تو کیانی بٹالین ایجوٹینٹ تھے اس کے بعد بھی فوجی ملازمت کے دوران گاہے گاہے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ ۶۸-۱۹۶۷ء میں وہ اور میں اتفاق سے کھاریاں میں پھر اکٹھے ہو گئے تھے۔ ہم دونوں نے اکتوبر ۶۸ء میں کالج میں اولڈ بوائز کی پہلی بڑی ری یونین کا اہتمام کالج کے کمانڈنٹ کرنل مرتضےٰ سے مل کر کیا تھا۔ اس زمانے میں ہم دونوں کے بیٹے بھی ملٹری کالج میں پڑھتے تھے اس لئے اور بھی

ملنا ہوتا رہتا تھا۔ آخری بار ان کا چہرہ ان کی شہادت کے بعد ۲۰ر مئی ۱۹۷۲ر کو مونا پنڈ
میں دیکھا جب انہیں قبر میں لٹا دیا گیا اور ان کی والدہ کے انتظار میں صرف ان کا چہرہ
کھلا رکھا گیا تھا۔ اس منظر کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ حق نواز جس کی زندگی ایک مسلسل
اضطراب تھی اب وہ پُرسکون تھا اور چہرہ شہادت کے نور سے منور۔ شہادت کی آرزو
انہیں زندگی بھر رہی تھی۔ اللہ نے انہیں آخر میں اس رتبہ بلند سے بھی سربلند کیا۔

حق نواز سے زندگی بھر کے تعلق کی بنا پر تجربات میں دیانت داری سے کہہ سکتا
ہوں وہ یہ ہے کہ ان ایسا جری اور نڈر آدمی میں نے نہیں دیکھا، خصوصاً جب سے
وہ ایک دانائے راز بزرگ سے بیعت ہوئے تھے۔ ان کی دنیا سے اور دنیا داروں
سے بے نیازی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی چونکہ یہ طور طریقے دنیا داری کے لحاظ سے
ترقی میں حائل ہوتے ہیں تو جب ہم عزیزوں اور دوستوں نے ان سے اپنے آپ
کو تھوڑا سا بدلنے کو کہا، ان کا ایک ہی جواب ہوتا۔ چھوڑو، بھراؤ، اللہ مالک اے،
بے اصولی اور اپنے کام میں بے جا دخل درازی کے خلاف وہ ڈٹ جایا کرتے تھے
زمانہ امن میں ایسے پُرجنون، کردار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ امن میں انہیں
گھر آنا پڑا۔ اور جنگ میں خاص طور پر انہیں بلایا گیا۔ اب دیوانہ آئے۔ مجنوں کی وحشت
میں ویرانے میں ضرورت ہے۔

دسمبر ۱۹۷۱ر کی جنگ ختم ہونے کے بعد دوسرے ریٹائرمنٹ سے بلائے افسر واپس
بھیج دیئے گئے تھے لیکن ان کو ان کے افسران اعلیٰ نے خاص طور پر روک لیا تھا
کہ کشمیر کی وادی میں کشمیر کے دیوانے کی بڑی ضرورت تھی۔ اس کے جنون اور فراست
دونوں کی ضرورت تھی۔ کشمیر کی وادی کیان دلیپا ویلی، کو انہی کے خون سے لالہ زار
ہونا تھا۔

آخر میں میں ایک اور بات کا ذکر کروں گا جو شاید زیادہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ ریٹائرمنٹ سے پہلے ان کا تبادلہ ایسٹ پاکستان بھی ہوا تھا۔ غالباً ۱۹۶۹ء میں ایسٹ بنگال رائفلز کے سنٹر کمانڈنٹ کی حیثیت سے۔ وہاں کرنل (ریٹائرڈ) عثمانی (جو بعد کو جنرل عثمانی کے نام سے مشہور ہوئے) سے بھی ٹکر لی۔ وہ اس وقت بھی بنگلہ نیشلزم کا پرچار کر رہے تھے۔ حق نواز نے ان کی سرکاری معاملات میں مداخلت بالکل بند کر دی۔ اور ان کی سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا۔ حق نواز جو پاکستان کے عاشق تھے وہ پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی مذموم کارروائیوں کو کیسے برداشت کرتے۔ مختصر یہ کہ کیانی میدان امن کے نہیں میدان جنگ کے آدمی تھے۔ ان کی زندگی کے آخری زمانے کی جو باتیں میں نے سنی ہیں اور آزاد کشمیر میں جس طرح انہیں یاد کیا جاتا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عملاً ایک صوفی اور درویش بھی تھے۔ یہ مٹی زرخیز تو بہت ہے۔ خدا کرے کہ اس سے بہت سے کیانی پیدا ہوں۔ آخر میں، میں اپنے چند شعر عقیدت کے نذرانے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ ؎

پاکستان دی آن سٹروان بھینڑاں دا مانٹر ترانٹر سنٹرادہ
انہاں غازیاں تے شہیداں تے قربان ہو جاواں بسم اللہ
شالا رب کرے عزم جوان ہووے تہاڈا سب توں اچاناں ہوئے
کدے پیار شہید نہ بھلیو جی دلیو اذن میں جاواں بسم اللہ

میجر جنرل ممتاز علی ستارہ جرأت (دو بار) کے تاثرات

۸۵۶۔ میجر جنرل ممتاز علی ستارہ جرأت (دو بار) لکھتے ہیں۔

۱۹۶۰-۶۱ء کی محاذ آرائی میں ہندوستانی فوجی دستوں کی آنکھوں کے عین سامنے (سیالکوٹ سیکٹر میں) حق نواز نے اپنے فوجیوں کو جمع کیا اور نماز ادا کی اس

نظارے نے دشمن کو تو حیرت میں ڈال دیا۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کے لیپا ویلی کے کارناموں کی تفصیل میں، میں نہیں جانا چاہتا۔ لیپا میں وہ جگہ میں نے دیکھی ہے جہاں وہ دشمن کا گولہ لگنے سے شہید ہوئے تھے اور ان حالات کی تفصیل بھی سنی ہے جن میں انہوں نے یہ غیر معمولی کارنامہ انجام دیا۔ اس کے پیش نظر میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ جذبہ ایمانی سے سرشار تھے۔ معمولی آدمی یہ کام نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ۱۹۶۵ء میں وہ، وہ نہیں جو ۱۹۴۵ء میں تھے۔ ۱۹۴۵ء میں وہ صاحب تھے۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں وہ درویش مجاہد۔

میجر جنرل غلام محمد کا انٹرویو

۸۸۵۔ میجر جنرل غلام محمد کا انٹرویو کا ایک حصہ ہم حق نواز کیانی کے ملٹری کالج کے زمانہ تعلیم کے بیان میں درج کر چکے ہیں۔ باقی حصہ اب شخصیت و کردار کے سلسلے میں نقل کرتے ہیں۔

سوال:۔ حق نواز کے کالج سے جانے کے بعد آپ کا ان سے کتنا واسطہ رہا؟

جواب:۔ کیانی نے ۱۹۴۵ء میں انڈین آرمی کی مشہور رجمنٹ راجپوتانہ رائفلز میں سیکنڈ بٹالین میں کمیشن لیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد ان کی بٹالین کی پوری کمپنی ۴ بلوچ (حال ۱۱ بلوچ) میں منتقل ہوئی۔ ۴ بلوچ اس زمانے میں ایبٹ آباد میں تھی اس لئے حق نواز کو لیفٹیننٹ کی حیثیت سے ایبٹ آباد آنا پڑا۔ ادھر میں انڈین ملٹری اکیڈیمی سے منتقل ہو کر پاکستان ملٹری اکیڈیمی کاکول ایبٹ آباد آیا۔ اس طرح کئی برس کے بعد ہم دونوں پھر یکجا ہوئے۔ یہ مارچ اپریل ۱۹۴۸ء کی بات ہے۔ کچھ دنوں بعد حق نواز نے مجھے اپنے میس میں لنچ پر بھی بلایا تھا۔ ان دنوں کشمیر کی آزادی کی جدوجہد جاری تھی۔ کشمیر کو آزاد کرانے کا حق نواز کو جنون کی حد تک شوق تھا۔ بہر حال

حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ انہیں کشمیر کی جنگ آزادی میں حصہ لینے کا موقع ملا کشمیر میں پانڈو کی چوٹی جیتنے میں حق نواز کی کارکردگی کو بھی دخل تھا۔ ایک عرصے کے بعد ۱۴ بلوچ کے چند جے سی او مجھے ملے وہ حق نواز کی جرأت اور قائدانہ صلاحیت کے بڑے معترف تھے۔ کشمیر آپریشن میں ان کی بہادری کے قصے اس علاقے میں خاصے مشہور تھے۔ پی ایم اے سے کمیشن لینے کے بعد جب میں فروری ۱۹۴۹ء یا ستمبر ۱۹۴۹ء میں انفنٹری سکول کوئٹہ میں کورس کر رہا تھا تو معلوم ہوا کہ حق نواز اسٹاف کالج میں جونیئر ٹیکنیکل کورس کر رہے ہیں جب میں ان سے ملنے ان کے کمرے میں گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کیا تی نے فرش پہ بستر لگایا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا قصہ ہے؟ کیا چارپائی نہیں ہے بولے نہیں یہ بات نہیں کشمیر کے جہاد کے وقت سے مجھے زمین پر سونے کی عادت ہو گئی ہے

سوال:- ۱۹۴۹ء کے بعد پھر آپ ان سے کب ملے؟

جواب:- کوئی آٹھ نو سال کے بعد ۱۹۵۸ء میں ہم پھر کوئٹہ ہی میں اسٹاف کالج کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں لکھنے پڑھنے کے کام یا کورسز کے بکھیڑوں سے انہیں کبھی دلچسپی نہیں تھی۔ حق نواز کے جوہر میدان جنگ میں کھلتے تھے۔ وہ میدان کارزار کے آدمی تھے۔ امن کے زمانے میں نوکری کرنے کے آداب وہ برتنا جانتے ہی نہیں تھے حد درجہ منہ پھٹ اور خود دار تھے۔ جو دل میں ہوتا خواہ کوئی ہو منہ پر کہہ دیتے، مصلحت کا لفظ تو ان کی لغت میں تھا ہی نہیں۔ جس بات کو وہ غلط سمجھتے اس کو برملا غلط کہنے سے دنیا کی کوئی طاقت انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ وہ کئی بار اپنے سینئرز سے الجھے اور بری طرح الجھے۔ غالباً اسی کی پاداش میں وہ اسٹاف کالج سے سند لینے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

حق نواز اور میں آخری بار ۱۹۷۰ء میں منگلا میں یکجا ہوئے میں بریگیڈیر ہو گیا تھا اور وہ لیفٹیننٹ کرنل سے ریٹائر ہو رہے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد میں جراٹ چلا گیا پھر جو خبر ملی تو ان کے سر سے کفن باندھ کر لیا وہیں شہید ہونے کی خبر ملی۔ شہادت کی انہیں بڑی تمنا تھی۔ خدا نے ان کی تمنا پوری کر دی برسوں کی بے قراری کو قرار آگیا۔ حق نواز ایسے لوگ کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔

۱۸۷۔ جنرل محمد اقبال خان، ہلال امتیاز، ستارۂ بسالت کا انٹرویو

جنرل اقبال سے ہم نے لیفٹیننٹ کرنل حق نواز کیانی شہید ستارہ جرأت کے بارے میں ان کے تاثرات پوچھے تو یہ غیر رسمی گفتگو ہوئی۔

سوال:۔ کالج نمبر ۸۳۵ حق نواز کیانی آپ کے ہم عصر تھے۔ اس زمانے کے کیانی کے بارے میں آپ کا تاثر کیا ہے؟

جواب:۔ میں اگست ۴۳ ۱۹ء میں کالج میں داخل ہوا تھا۔ اس زمانے میں حق نواز کیانی کالج کے ہیڈ لوائے تھے۔ چند مہینے کے بعد غالباً دسمبر ۴۳ ۱۹ء میں وہ کمیشن کے لئے منتخب ہو کر او۔ ٹی۔ ایس جہلم چلے گئے۔ اس لئے صرف چند مہینے میں نے انہیں کالج میں دیکھا۔

بہر حال اس تعلق کی بنا پہ میں کہہ سکتا ہوں کہ حق نواز کالج کے ممتاز ترین طلبہ میں سے تھے۔ جسمانی لحاظ سے بے حد چاق و چوبند اور غیر معمولی طور پر خوش لباس۔ طبیعت میں تندی اور تیزی تھی۔ ان کے اصل جوہر کھیل کے میدان میں کھلتے تھے لیکن تعلیم میں ان کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا بحیثیت مجموعی وہ ایک کامیاب سینئر کیڈٹ افسر رہے تھے۔

سوال:- شخصیت و کردار کا نمایاں پہلو کیا تھا؟
جواب:- جرأت۔ دلیری اور خود اعتمادی۔
سوال:- کالج کے بعد کا کوئی تاثر؟
جواب:- فوج میں وہ اپنی مخصوص افتاد طبع کی وجہ سے اتنے کامیاب نہیں رہے لیکن اس کی تلافی انہوں نے ۱۹۶۵ء میں اپنی غیر معمولی دلیری سے کر دی۔ کیانی امن کے نہیں جنگ کے آدمی تھے۔ میری جوان سے آخری ملاقات ہوئی۔ اس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔
سوال:- اس کی کیا خصوصیت تھی؟
جواب:- لیپا کے تاریخی معرکے سے پہلے کیانی مجھ سے ملنے جی ایچ کیو آئے تھے۔ اس ملاقات میں انہوں نے جو باتیں کیں اور جس انداز سے کیں۔ اس سے میں نے یہ تاثر لیا کہ اس شخص نے تو گویا شہادت کے لئے سر سے کفن باندھا ہوا ہے۔ کیانی کے ابلتے ہوئے جذبہ جہاد اور ذوق شہادت سے کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

۶۸۸۔ بریگیڈیر عطا محمد خان ملک ستارہ امتیاز کے تاثرات

حق نواز کیانی کو راجپوتانہ رائفلز میں کمیشن ملا تھا۔ آزادی پر ۴ بلوچ سے وابستہ ہوئے۔ یہ وہ نامور بٹالین ہے جس نے ۱۹۴۸ء کے کشمیر آپریشن میں چناری سیکٹر کے بظاہر ناقابل تسخیر پانڈو فیچر کو تسخیر کیا۔
اس سیکٹر میں مصروف کارزار بریگیڈ کو جو آرٹلری ٹروپ مدد دے رہا تھا میں دستے کو کمان کر رہا تھا اس لئے میں اس بٹالین کی کارکردگی سے واقف ہوں۔ اس

تاریخی حملے کی تفصیلات میجر جنرل ریٹائرڈ ملک شیر بہادر سے مل سکتی ہیں جو اس وقت اس بٹالین کی کمان کر رہے تھے میں خود حق نواز سے اکتوبر ۱۹۴۸ء میں ملا۔۔۔۔۔ جب وہ اس ممتاز بٹالین کے ایڈجوٹینٹ تھے۔ حق نواز اپنی آن بان اور ظاہر شکل و شباہت کے اعتبار سے اس وقت بھی شاندار تھے جب میں نے انہیں کالج میں اپنے جونیئر کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ اب تو ماشاءاللہ ہر اعتبار سے نکھر گئے تھے۔ وہ ایک مثالی انفنٹری آفیسر نظر آتے تھے۔ اکہرا بدن۔ چست، توانائی سے بھرپور اور خوش باش۔ جو دیکھتا اس کا یہی تاثر ہوتا کہ یہ شخص کچھ کرنے کے لئے بنا ہے۔

دوسری بار جب میں حق نواز سے ملا تو حق نواز ۳ بلوچ کے سیکنڈ ان کمانڈ تھے یہ بٹالین سیکٹر ون کے بریگیڈ کے زیر کمان تھی اور اس بریگیڈ کا ہیڈ کوارٹر دو میل تھا اور میں اس کا بریگیڈ میجر تھا۔ اس زمانے میں میرا اندازہ یہ تھا یہ افسر اپنے جوانوں میں بہت مقبول ہے۔ اس کی دل سے عزت کی جاتی ہے اور یہ کہ سپاہ گری اس کا پیشہ ہی نہیں اس کا ذوق بھی ہے۔ ایک اور بات جو میں نے اس بار نوٹ کی وہ اس کا پُرجوش مذہبی جذبہ تھا۔

۱۹۶۲ء میں ۲ بلوچ کا سیکٹر سے تبادلہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی حق نواز بھی وہاں سے چلے گئے لیکن جلد ہی ۱۳۔ اے۔ کے رجمنٹ کے سیکنڈ ان کمانڈ کی حیثیت سے اس سیکٹر میں واپس آ گئے۔ ۱۳۔ اے کے اس زمانے میں ڈومیل میں متعین تھی اور کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل غلام دستگیر دستی تھے۔ یہ حسن اتفاق تھا کہ اس بٹالین کے دونوں کمانڈر جسمانی طور پر بڑے مضبوط و توانا اور ذہنی طور پر بڑے حوصلے کے تھے۔ دونوں کو مثالی جنگجو افسروں کے نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا تھا۔

۱۳۔ اے۔ کے بٹالین کو جلد ہی نومبر ۱۹۶۳ء میں اپنے جوہر دکھانے کا موقع

مل گیا۔ کیل سیکٹر میں چنکوٹ پر دشمن کی حریصانہ نگاہیں پڑ رہی تھیں۔ بریگیڈ کمانڈ نے ۱۳۔ اے کے کو چنکوٹ پہنچنے کا حکم دیا۔ بٹالین نے چند گھنٹوں میں کوچ شروع کر دیا اور چند دنوں میں سو میل سے زیادہ کا انتہائی دشوار گزار راستہ عبور کر کے چنکوٹ میں مورچے سنبھال لئے۔ کرنل دستگیر اور میجر کیانی دونوں مست شیروں کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑنے کے لئے بے قرار ہو رہے تھے۔ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کے لئے مشکل ہو گیا تھا کہ ان عقابوں کو شکار پر جھپٹنے سے کیسے روکا جائے جس تیزی سے بٹالین چنکوٹ پہنچی تھی اور جو اس کے تیور تھے اسی سے دشمن ٹھٹھک کر رہ گیا تھا۔ یہی ہمارا مقصد تھا بہر حال حق نواز کے تیوروں سے میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ جب موقعہ آیا تو شیر ہر کے جوہر کھلیں گے۔ دو سال بعد ۱۹۶۵ء میں حق نواز نے ۱۳۔ اے کے کے ساتھ کشمیر کی وادی میں جو معرکے سر کئے۔ ان کی روئداد ملٹری فیکشن سے معلوم ہوتی ہے حقیقت کی انتہا بھی یہی ہے کہ وہ افسانہ معلوم ہونے لگے۔

آخری بار حق نواز سے ۱۹۷۰ء میں ملا جب میں جہلم میں ڈویژن آرٹلری کو کمان کر رہا تھا اور اسٹیشن کمانڈر کی حیثیت سے بھی کام کر رہا تھا۔ حق نواز فوج سے ریٹائر ہو چکے تھے اور جہلم چھاؤنی کے مضافات میں لوٹا نامی گاؤں میں ایک زرعی فارم قائم کرنے میں مصروف تھے۔ یہ کام بھی انہوں نے اپنے روایتی جوش و خروش سے کیا۔ ۱۹۷۱ء میں میرا تبادلہ مشرقی پاکستان میں ہو گیا۔ قید کے دوران میں نے لیپا ویلی میں حق نواز کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ سُنا اور فخر سے سر اونچا ہو گیا۔ خدا سب مسلمانوں کو اس عظیم سپاہی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۶۶۳۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد یونس، ستارۂ جرأت، کہتے ہیں

کالج میں وہ ہم سے بہت سینئر تھے۔ ہمارے آنے سے پہلے ہی وہ کمیشن لے چکے

تھے۔ ان سے ملاقات ایک بریگیڈ میں اس وقت ہوئی وہ اس وقت کیپٹن تھے، میں سیکنڈ لیفٹیننٹ تھا۔ بڑی شاندار اور پر اثر شخصیت کے مالک تھے۔ پُر جوش، تیز تند انفنٹری کے مثالی سپاہی۔ فٹ بال بہت اچھا کھیلتے تھے۔ بریگیڈ ٹیم کے کیپٹن تھے۔ ان کے بارے میں، میں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں کہ جو رنگ آغاز جوانی میں تھا وہ بعد کو نہیں رہا تھا۔ یک لخت بدل گئے۔ کوہاٹ گھمگول شریف سے بیعت تھے۔ آخر میں خود درویش اور پیر ہو گئے تھے۔

۱۷۰۔ لیفٹیننٹ کرنل محمد رفیق لکھتے ہیں

میرے ذہن میں حق نواز سے متعلق دو واقعات ہیں۔ ۴۹-۱۹۴۸ء کی بات ہے۔ ہاکی کا ایک میچ ہو رہا تھا۔ ایمپائر کے کسی فیصلے پر ان کے دو ایک کھلاڑیوں نے اعتراض کیا۔ بہرحال تھوڑی بدمزگی پیدا ہوئی۔ کیانی بپھر گئے۔ اپنے لڑکوں کو بہت ڈانٹا کیانی غصے کے بہت تیز تھے۔ ان کی قوت فیصلہ بھی غیر معمولی تھی۔ کسی نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہیں لگاتے تھے۔

دوسرا واقعہ ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۴ء کا ہے میں ۱۹ پنجاب میں لیفٹیننٹ اور وہ پشین اسکاؤٹس میں کیپٹن تھے۔ رات کو گشت پر نکلے تو اسمگلرز کے ایک خطرناک گروہ کو پکڑ لائے۔

حق نواز کیانی کے ایک سابقہ ملازم فضل کا (جو اب میرے پاس کام کرتا ہے) بیان ہے کہ میں ان کی زمینوں پر کام کرتا تھا۔ اے ء میں جب فوج میں دوبارہ طلب ہوئے تو لام پر جانے سے پہلے اپنے مزارعوں اور ملازموں کو بلا کر کہا۔ یہ میری آپ لوگوں سے آخری ملاقات ہے۔ آپ دعا کریں کہ میں اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤں۔

لیفٹیننٹ کرنل ہاشمی کا بیان

اے ۔کے رجمنٹ کے لیفٹیننٹ کرنل ہاشمی نے ایک ملاقات کے دوران اس عجیب اتفاق کی طرف اشارہ کیا۔ اپنی زندگی کی تین جنگیں حق نواز کیانی نے کشمیر میں کم و بیش ایک ہی علاقے میں لڑیں اور ہر بار سرخ رو ہوئے۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۴۸ء کو مظفر آباد سیکٹر میں پانڈو آپریشن بہت اہمیت کا حامل تھا۔ حق نواز نے بحیثیت ایک لیفٹیننٹ کے اس ایکشن میں حصہ لیا اور بہت اہم کردار ادا کیا۔ ۶۵ء میں میجر حق نواز کیانی ۱۳۔ اے کے کمانڈو گروپ کے کمانڈر تھے اور اس حیثیت سے کافی اندر چلے گئے تھے۔ جو کارنامے انہوں نے انجام دیئے وہ فوجی تاریخ میں یادگار رہیں گے۔ خصوصاً وہ ایکشن جس کے لئے انہیں ۶۵ء میں ستارہ جرأت دیا گیا۔ ۱۷ء میں انہیں دوبارہ کشمیر میں خدمات کے لئے بلایا گیا اور وہ پھر اسی علاقے میں مصروف کار ہوئے۔ مئی ۷۲ء میں لیپا آپریشن پاکستان کی تاریخ میں ایک یادگار چیز ہے۔ لیپا اور پانڈو کے درمیان صرف ایک پہاڑی ہے۔ لیپا کے معرکے ہی میں وہ شہید ہوئے اور دوسری بار ستارہ جرأت کا اعزاز حاصل کیا۔

۱۲۰۱۔ محمد اسلم راجہ صاحب کے تاثرات

جب میں اگست ۱۹۴۳ء میں کالج میں داخل ہوا تو حق نواز کیانی ہیڈ بوائے تھے چار چھ ماہ کے بعد وہ کمیشن کے لئے او۔ ٹی۔ ایس مہو چلے گئے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ کالج میں ان کی صرف ایک جھلک دیکھی۔ لیکن یہ جھلک بھی بھرپور تھی۔ ہر جگہ ان کا طوطی بولتا تھا۔

اس کے بعد کیانی صاحب سے ملاقات کوئٹہ میں ہوئی یہ غالباً ۱۹۵۹ء کی بات ہے وہ اسٹاف کالج میں کورس کے لئے آئے تھے اور میں وہاں اسٹاف کالج کے لائبریرین

کے طور پہ کام کر رہا تھا۔ ایک تو کالج کا رشتہ تھا۔ دوسرے وہ ہماری برادری کے بھی تھے۔ اسی وجہ سے وہ کبھی کبھی ہمارے یہاں آتے تھے۔ پہلی بار جب آئے تو بیگم ساتھ تھیں اور برقعہ میں تھیں۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ یوں بھی وہاں برقعہ کا رواج زیادہ نہیں تھا اور پھر جس حق نواز کو میں کالج میں جانتا تھا اس سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ شعائر اسلام سے اتنی دلچسپی رکھے گا۔ بہرحال جب آنا جانا ملنا جلنا ہوا تو پتہ چلا کہ ان کی تو دنیا ہی بدل چکی ہے۔ دین اور شعائر دین کے بارے میں ان کی طبیعت بہت شدید تھی۔ خواہ فائدہ ہو یا نقصان وہ جس چیز کو دین کا تقاضا سمجھتے تھے اس کے خلاف نہیں جا سکتے تھے۔

میں چونکہ لائبریرین تھا اس لئے کورس کی باتیں بھی سنتا رہتا تھا۔ اگر دیکھا جائے تو وہ کسی کورس کے سانچے میں فٹ نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ عملی آدمی تھے کتابیں پڑھنا خلاصے تیار کرنا۔ دوسروں کے نظریوں کو دہرانا اور اپنے سے بڑوں کی باتوں کو آنکھیں بند کر کے ماننا ان کے مزاج کے مطابق نہ تھا۔ بہرحال اس کو خوبی سمجھا جائے یا خامی یہ خصوصیت ان کے اندر موجود تھی۔ وہ غیر معمولی عزم، حوصلہ اور جذبے کے آدمی تھے اللہ کا شکر ہے کہ وہ غیر معمولی کام کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

بریگیڈیر شیر علی باز کا انٹرویو

سوال:۔ آپ کی راہ رسم حق نواز کیانی شہید سے کیسے اور کہاں ہوئی؟

جواب:۔ حق نواز کیانی شہید سے میری پہلی ملاقات ۵۳-۱۹۵۲ء میں ہوئی تھی۔ لیکن یہ سرسری سی ملاقات تھی۔

چار پانچ سال بعد گھکول شریف (کوہاٹ) میں ان سے ملنے کا پھر اتفاق ہوا

اور پھر اکثر گھمکول شریف میں اکٹھے ہوئے گویا ان سے اصل تعلق و ربط گھمکول شریف میں ہوا اور جب تعلقات بڑھے اور میں نے اس غیر معمولی انسان کے اندر جھانک کر دیکھا تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ تو دُرِ بے بہا ہے۔ جتنے آدمیوں سے میں ملا ہوں ان میں سب سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر۔

سوال:۔ پھر یہ اندازہ آپ نے ان کی کس حیثیت سے لگایا؟

جواب:۔ میں نے عرض کیا۔ میرا ان سے رشتہ پیر بھائی کی حیثیت سے تھا۔ ان کی شخصیت پہ میرا تبصرہ اسی حیثیت سے ہے۔ میں نے بہت سی اسلامی اور انسانی قدروں کا جیتا جاگتا نمونہ پایا۔ گھمکول شریف بڑا دربار ہے۔ یہاں ایک خلقت آتی ہے لیکن میں نے حق نواز کو سب پیر بھائیوں سے بہتر پایا۔

سوال:۔ کس اعتبار سے؟

جواب:۔ اپنے خلوص اور جذبے کی شدت کے اعتبار سے۔ میں نے حق نواز سے زیادہ بے ریا آدمی نہیں پایا۔ تقویٰ ان کے قلب میں جاگزین تھا۔ میرے خیال میں وہ روحانیت کے ایک بلند درجے تک پہنچ چکے تھے۔

سوال:۔ آپ کو ان کی کس خصوصیت نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

جواب:۔ یہی کہ حق نواز کی مذہبیت بہت گہری اور سچی تھی وہ صحیح معنوں میں اسلام کے متوالے اور فدائی تھے۔ وہ پکے باعمل مسلمان تھے۔ اسلام کی محبت ان کی رگ و پے میں خون کی طرح جاری و ساری تھی چونکہ انہیں روحانیت کا راستہ دکھانے میں اور ان کے قلب کو روشن کرنے میں پیر کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس لئے ان سے ان کی عقیدت بے حد و حساب تھی۔

سوال:۔ مشیر علی صاحب آپ ان کی روحانیت اور پیر صاحب سے انکی عقیدت

کی کوئی مثال دینا پسند کریں گے؟

جواب:۔ پیر صاحب نے انہیں ایک زمرّدی رومال عطا کیا تھا ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں وہ اس کو برکت کے طور پر یونی فارم کے نیچے اپنی کمر سے باندھے رہتے تھے۔ ۶۵ء کی جنگ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے ایک بار انہوں نے مجھے بتایا کہ اس پٹکے کی برکت سے میرے اندر شہادت حاصل کرنے کا جذبہ شدت سے بیدار ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کو آپ کچھ بھی کہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہیں پیر صاحب پر بے انتہا اعتقاد تھا۔

دوسرا واقعہ ۱۹۷۱ء کی جنگ کا ہے حق نواز کو شدید احساس ہو گیا تھا کہ وہ شہید ہو جائیں گے۔ اس امر کا برملا اظہار انہوں نے پوری بٹالین سے کیا اور ایسا ہی ہوا۔

مولوی نصراللہ خان کا انٹرویو

سوال:۔ مولوی صاحب پہلے تو آپ اپنا تعارف کرائیے۔

جواب:۔ میرا نام نصراللہ ہے میں وادی لیپا کے گاؤں انتلیاں کا رہنے والا ہوں۔ ان دنوں لیپا کے موضع کرناہ کے مدرسہ فیض الاسلام کا مہتمم ہوں۔

سوال:۔ کرنل حق نواز کو آپ کیسے جانتے ہیں؟

جواب:۔ صرف جانتا ہی نہیں ہوں۔ میں ان کا مرید ہوں وہ میرے اور مجھ جیسے ہزاروں کشمیریوں کے مرشد تھے۔ ۶۵ء کی جنگ میں میرا ان سے پہلی بار تعارف ہوا۔ میں بھی ان کے ساتھ مجاہدین میں شامل تھا۔

سوال:۔ کیانی صاحب کے پیر و مرشد ہونے کی کیا کہانی ہے؟

جواب :۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم کشمیری سیدھے سادھے مسلمان ہیں ہم لوگوں میں جذبہ ایمانی زیادہ ہے جب ہم نے دیکھا کہ یہ شخص صرف فوجی کمانڈر ہی نہیں سچا مجاہد ہے اور سچا مومن ہے تو ہم نے ان کی اطاعت شروع کر دی۔ آپ لوگ یہاں بیٹھ کر اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ لیپا سے مظفر آباد تک کیانی شہید کے لئے انسان تو انسان پتھر بھی روتے ہیں ۔ ہمارے لئے وہ انسان نہیں فرشتہ تھے۔

سوال :۔ کیانی صاحب کا طریق کار کیا تھا۔ اگر آپ دو چار مثالوں سے اپنے تاثرات کی وضاحت فرمائیں تو وہ لوگ بھی جنہوں نے کیانی شہید کو نہیں دیکھا وہ بھی ان واقعات کے پردے میں ان کی جھلک دیکھ لیں۔

جواب :۔ ان کا طریقہ قرون اولیٰ کے مسلمان مجاہدوں کا سا تھا جو پہلے سوز یقین سے لوگوں کا لہو گرماتے تھے۔ کیانی اسلام اور پاکستان کے عاشق بلکہ دیوانے تھے ۶۵ء میں جب جہاد شروع ہوا تو انہوں نے لیپا کے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ ان میں ۳۲ لیپا پلٹن کے رضاکار بھی شامل تھے۔ مجھے یاد ہے اس وقت ۳۲ لیپا کے سالار ملک عبدالجبار اور اس کے امام مولوی حبیب الرحمٰن شاہ بھی موجود تھے کیانی صاحب نے جہاد پر ایسی تقریر کی جیسی میں نے پہلے سنی تھی نہ بعد کو سنی۔ سننے والوں کے دل تڑپ اٹھے اور جہاد کے لئے بے چین ہو گئے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کیانی صاحب کے ساتھ کچھ جہاد سے متعلق کتابیں بھی تھیں جو ان لوگوں میں جو پڑھ سکتے تھے ان میں تقسیم کیں۔

کیانی صاحب کی تبلیغ کا طریقہ واعظوں ایسا نہیں صوفیا جیسا تھا وہ ذکر جلی لا الہ اللہ کے بہت شائق تھے۔ اسم ذات کا ذکر خفی بھی کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ پوری

رات ذکر اذکار میں گزار دیتے تھے۔ راستہ چلتے بھی ذکر کرتے جو مجاہد ساتھ ہوتے وہ لاالہ اللہ ہو کی تان اڑاتے ۔ اس طرح دوسرے لوگ بھی شامل ہوتے جاتے اور مسجد سے آتے جاتے ایک جلوس کی شکل ہو جاتی ۔ مجاہدوں کے مورچے ذکر الٰہی سے گونجتے رہتے۔ لاالہ اللہ ہو کے نعروں سے لیپا کی فضائیں معمور تھیں کیانی صاحب کی کوششوں سے کشمیریوں میں وہ جذبہ جہاد بلکہ عشق جہاد پیدا ہوا جیسا کبھی پہلے نہ ہوا تھا۔ ۶۵ء سے پہلے لیپا میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ جمعہ کی نماز انہوں نے شروع کی اور مسجد تعمیر کرائی۔ شہادت سے کیانی شہید کو عشق تھا شہید ہونے کی اتنی شدید خواہش میں نے اپنی زندگی میں کسی میں نہیں دیکھی۔

کیپٹن ممتاز علی خان کے تاثرات

سوال:۔ ممتاز۔ پہلے آپ اپنا تعارف کرائیے۔

جواب:۔ کیپٹن ممتاز علی خان کیانی میرا نام ہے۔ لیپا ویلی میں پوسٹڈ ہوں۔ کیانی رج جہاں کرنل کیانی شہید کا کمپنی ہیڈ کوارٹر تھا اور جہاں وہ شہید ہوئے تھے میرا کمپنی ہیڈ کوارٹر بھی اسی جگہ ہے۔ انجنیئرز میں ہونے کی وجہ سے اس سارے علاقے کا سروے کیا ہے اور چپے چپے کو غور سے دیکھا ہے اور چونکہ اس ویلی اور خاص طور سے اس رج کی ایک تاریخی اہمیت ہے اس لئے میں نے اس جگہ اور اس کے آس پاس علاقے کا خصوصی توجہ سے مطالعہ کیا ہے۔ کرنل کیانی شہید سے ہماری دور کی رشتہ داری بھی ہے۔ اس تعلق سے بھی کیانی رج میرے لئے دلچسپی کا باعث رہی ہے۔ کرنل کیانی کی شہادت گاہ پر ہم نے ایک نشان لگا دیا ہے۔

سوال:۔ کیانی مسجد آپ نے دیکھی ہو گی۔ اس کا محل وقوع کیا ہے؟

جواب:۔ کیانی رج اور جموہار رینج کے درمیان جنوب مغرب میں تقریباً سو گز نیچے نواں کوٹ گاؤں ہے۔ اس میں دو ایک سو گھر ہیں اور آبادی تقریباً ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ اس گاؤں میں کیانی مسجد ہے جس کی تعمیر میں کیانی شہید نے نہ صرف خاصا روپیہ صرف کیا بلکہ اپنے ہاتھوں سے اس کے لئے پتھر ڈھونڈھو کر لائے اور مزدوروں کی طرح کام کیا اور کچھ دنوں اس مسجد میں باقاعدہ امامت بھی کی۔

کیانی مسجد کے خطیب عبداللطیف نے مجھے بتایا کہ کیانی شہید انہیں ہر مہینہ تین سو روپے غریبوں اور ناداروں اور بیواؤں میں تقسیم کرنے کے لئے دیتے تھے۔ نواں کوٹ میں کوئی بیمار ہو جاتا اس کی تیمارداری کے لئے خود جاتے۔ یونٹ کے علاقے میں غریبوں کو گھاس کاٹنے سے منع نہیں کرتے تھے۔ گاؤں سے پکی سڑک بہت دور ہے اور راستہ بہت دشوار گزار ہے اگر گاڑی جاتی ہوتی تو گاؤں کے کمزور اور بیماروں کو پکی نیلی روڈ تک چھوڑوا دیتے تھے۔ عام لوگوں کے لئے ان کے رحم و کرم کی کوئی حد اور انتہا نہ تھی۔ لیپا ویلی میں موجی گاؤں کے قریب ایک پہاڑی زیارت ہے جس کی وجہ سے اس کا نام زیارت پڑ گیا ہے کیانی شہید ہر جمعے کو زیارت کی زیارت کو جاتے تھے اور رات وہیں عبادت میں گزارتے تھے۔

سوال:۔ وہاں کے لوگوں کا عام تاثر کیا ہے؟

جواب:۔ حق نواز کیانی کا نام اس علاقے میں بلکہ مظفر آباد تک ایک درویش اور ولی کی طرح مشہور ہے۔ ان لوگوں کی والہانہ عقیدت کا وہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے جنہوں نے اس عقیدت کے نظارے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے۔ لوگ اس جگہ کو چومتے ہیں جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ بچوں کو ان کی کہانیاں سناتے ہیں

عورتیں ان کے لئے ماتم کرتی ہیں۔ ہر سال مئی کے مہینے میں کیانی مسجد میں ختم قرآن ہوتا ہے۔ تبرک تقسیم ہوتا ہے۔ ایک طرح وہ لوگ ہر سال کیانی شہید کا عرس مناتے ہیں۔

آزاد کشمیر میں خراج عقیدت کا ایک جلسہ

آزاد کشمیر میں میرپور اور پونچھ سے ایک ہفتہ روزہ صادق نکلتا تھا اس کی ۸؍ ستمبر ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں یہ رپورٹ شائع ہوئی۔

شہید قوم کرنل راجہ حق نواز کیانی ستارہ جرأت کو خراج عقیدت۔

کوٹلی میاں کے مشہور و معروف دربار سدھیر شریف میں مرحوم کرنل حق نواز کیانی شہید کی یاد میں منعقد ہونے والے ایک عظیم اجتماع میں آزاد کشمیر اور پاکستان کے بعض علماء دین کرنل مرحوم کی عظیم مجاہدانہ خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ کرنل راجہ حق نواز کیانی نے لیپا کے حالیہ معرکے میں جس جوان مردی اور جرأت ایمانی کا ثبوت دیا ہے وہ ہماری تاریخ میں ایک نئے اور سنہری باب کا حامل ہوگا۔

دربار شریف کے خلیفہ اور مدرسہ تعلیم القرآن کے مالک محمد حسین نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کرنل حق نواز کی دینی سرگرمیوں اور مجاہدانہ کارناموں کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ کرنل مرحوم نے اپنی پوری زندگی اسلام کی سربلندی اور سرفرازی کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ فوجی افسر کے بھیس میں ولی اللہ تھے وہ دیانت داری سے اپنے فرائض منصبی کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ یاد خدا میں بھی مصروف رہتے تھے۔ ان کی زندگی کا پورا نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ کرنل حق نواز نے ہر مشکل سے مشکل معرکے میں بھی دشمن کو شکست فاش سے ہمکنار کیا۔ اور ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لئے آگ اور طوفان سے گزرنے

کا فریضہ بھی دیانت داری سے انجام دیا۔

خلیفہ سدھیر شریف نے اپنی تقریر میں کرنل حق نواز کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ کرنل مرحوم اپنے دور کے قطب تھے۔ خلیفہ صاحب نے عوام سے اپیل کی کہ وہ کرنل موصوف کی تقلید کرتے ہوئے اسلام اور پاکستان کی سرفرازی کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کا عزم کرنا چاہیئے اور ہر ممکن طریق سے استحکام پاکستان اور آزادی کشمیر کی جدوجہد جاری رکھنی چاہیئے۔

ایک احسان مند کے تاثرات

بھلوال کے عبداللہ بیگ لکھتے ہیں۔

کرنل حق نواز صاحب ۴۵-۱۹۴۴ء میں لیفٹیننٹ تھے۔ دوسری عالمی جنگ میں میرے والد صاحب مسمی نائب صوبیدار نواب خان پنجاب رجمنٹ میں دوبارہ حاضر سروس ہوئے۔ ۳۰ جون ۴۴ء کو ان کی بوجہ بیماری جہلم سی ایم ایچ میں موت واقع ہوگئی ان کی دو بیوگان اور چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ سب سے بڑا لڑکا میں تھا جو کہ ابھی ۱۶/۱۷ سال کا تھا۔ یعنی روزی کمانے کے قابل نہ تھا اور مرحوم نائب صوبیدار کے اہل و عیال پر نہایت ہی مشکل وقت تھا۔ پنشن وغیرہ کے لئے کافی درخواستیں دیں مگر کوئی کسی نے نہ سنی۔ اللہ کے مہربانی ہونے پر ہوئی تو کرنل حق نواز صاحب شہید میرے گاؤں بھلوال عزل آئے کیونکہ ان کی یہاں خاصی رشتہ داری تھی اور انہیں کی پھوپھی صاحبہ مرحومہ نے کہا کہ اس طرح کا ایک کیس ہے اور ایک آدمی فوت ہوگیا ہے اور اس کی بیوگان اور یتیم بچوں کو گورنمنٹ کی طرف سے کوئی امداد نہیں ملی۔ چنانچہ کرنل صاحب مرحوم اسی وقت میرے گھر چلے آئے اور تمام واقعہ دریافت کیا۔ میں نے ان کو صرف اتنا بتایا کہ والد صاحب مرحوم ۱۔ پنجاب میں تھے اور جہلم سی ایم ایچ میں ان کی موت واقع ہوئی۔

کرنل صاحب مرحوم نے اپنی پوری پوری کوشش فرمائی اور بیوگان اور یتیموں کو گورنمنٹ سے پنشن دلوائی اور اس خاندان کی اس طرح پرورش ہوئی اور ساتھ ہی لیفٹیننٹ سے کرنل ہوئے۔ بھلوال غربی شریف آتے تو ہمارے گھر خود آکر خیریت دریافت کرتے رہتے تھے۔ ان کی زندگی کے اوصاف بیان نہیں ہو سکتے اور نہ اتنے میرے خیال میں کسی انسان کے ہوں گے کیونکہ جب افسر بن جاتا ہے تو اکثریت کو انسانی ہمدردی، غریبوں بے کسوں کی پرواہ نہیں رہتی لیکن کرنل صاحب ایک فرشتہ سیرت انسان تھے اور انہیں تو اللہ تعالٰے نے بڑا اچھا مقام عطا فرمایا۔ مگر غریبوں، بے کسوں کا سہارا جاتا رہا۔ اچھا ہماری تو دعا ہے کہ اللہ تعالٰے نے انہیں اعلٰے مقام عطا فرمایا ہے اور بھی رحمتیں عطا فرمائے اور اللہ ایسے ہی انسان کو دنیا میں نوازے جو ان ہی کی طرح اللہ تعالٰے کے حکم کے مطابق بے بس انسانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں۔ آمین ثم آمین

حاصل کلام

الحمد اللہ۔ قوم کے ایک عظیم محسن اور ایک عظیم شہید کی زندگی، کارناموں اور کردار کا یہ جائزہ ختم ہوا۔ اس تمام تگ و دو کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ یہ دکھایا جائے کہ جو لوگ غیر معمولی کارنامے انجام دیتے ہیں ان کی سوچ کیا ہوتی ہے وہ کس طرح محسوس کرتے ہیں۔ ان کی قدریں کیا ہوتی ہیں اور یہ کہ کس طرح ایمان وایقان انسان کو بدل دیتا ہے۔ نگاہ مرد سے تقدیریں ضرور بدل جاتی ہیں لیکن اس کے لئے مومن ہونے کی شرط بھی ہے۔

یہی کیانی کی کتاب زندگی کا خلاصہ بھی ہے۔

دل مرد مومن میں پھر زندہ کر دے — وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر، میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے — نگاہ مسلماں کو تلوار کر دے